لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

شکل و صورت اور خوراک و پوشاک میں

اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا فضل الرحمٰن دہر مکوٹی

مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ، ۳۲ اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور

نام کتاب ——— اُسوۂ رسولؐ

نام مصنف ——— مولانا فضل الرحمٰن دہرمکوٹی

تعداد ——— ایک ہزار

طابع ——— وفاق پریس لاہور

ناشر ——— مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ لاہور

قیمت ——— ساڑھے سات روپے

بار اول اکتوبر ۱۹۷۴ء

نذرانہ

اس صاحبِ خُلقِ عظیم اور مرقعِ احسنِ تقویم کی خدمت میں لَولَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ کا تاج جس کے سر مبارک پر اور شفاعتِ کبریٰ کا سہرا جس کی مقدس پیشانی پر مزین ہے تاکہ وہ رحمۃً للعالمین شفیع المذنبین میری۔ میرے والدِ مرحوم مولانا محمد عبداللہ صاحب دہرمکوٹی اور ہمارے احباب و متعلقین کی شفاعت فرمائیں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

سرِ حشر آپ ہی کو میرا دل صدائیں دے گا
اگر آپ دیکھ لیں گے میری آبرو رہے گی

فہرستِ عنوانات

عرضِ ناشر

ڈیڑھ صد سالہ انگریزی غلبہ و تسلط نے اذہان و قلوب کو کچھ اس قدر مسخر و مسحور کر دیا ہے کہ ہم نے شعوری غیر شعوری طور پر شکل و صورت اخلاق و کردار میں بہت سی ایسی حرکات و سکنات اور عادات کو اپنا شعار بنا لیا ہے جو ہماری دیرینہ قومی روایات اور ملی جذبات کے سراسر خلاف ہے مسلمان مسلمان کی عزت آبرو کا محافظ ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہٖ۔ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ اس حدیث کو سامنے رکھ کر اسلامیان پاکستان کی حالتِ زار کا مطالعہ کیجیئے اور سوچیئے کہ ہم کون تھے اور کیا ہو گئے۔ ایک وقت تھا جب حجاج بن یوسف گورنر کوفہ و بصرہ کا ظلم مشہور تھا۔ مگر اپنے ظلم و عدوان کے باوجود جب اس نے سینکڑوں میل دور ایک مسلمان عورت کی فریاد سنی جو غیرتِ مسلم کو سندھ میں پکار رہی تھی تو حجاج جیسے ظالم نے اپنے اوپر اس وقت تک کھانا پینا حرام کر لیا تھا جب تک کہ اس نے راجہ داہر والئی سندھ کی سرکوبی

کے لئے لشکر روانہ نہ کر دیا اور یہ بات تاریخ کے صفحات پر حجاج بن یوسف کی ملی غیرت اور محافظِ عصمت و آبرو ہونے کا ثبوت پیش کرتی ہے اس ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب حجاج جیسے سفاک کا اس بارے میں یہ حال تھا تو دوسرے عادل و نیک حکمران اس بارے میں کتنے شدید جذبات رکھتے ہوں گے۔

تہذیبِ مغرب کی کورانہ تقلید میں ہم اس قدر اندھے ہو چکے ہیں کہ بے حجابی و بے حیائی کے جواز میں دلائل پیش کرنے سے بھی نہیں شرماتے اور علی الاعلان ایسی تقریریں ہوتی اور تحریریں چھپتی ہیں کہ جن کو سن کر بے اختیار علامہ اقبالؒ کا یہ شعر زبان پر جاری ہو جاتا ہے ؎

نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے   اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

یہ شعر کسی مولوی یا شیخ کا کہا ہوا نہیں ہے بلکہ مفکرِ مشرق اور شاعرِ اسلام کا ہے۔ جن کے کلام کو مدعیانِ تہذیبِ نو حرفِ آخر کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اور یہ شعر بھی کسی خانقاہ کے مسند نشین یا کسی دینی مدرسہ و مکتب کے فارغ التحصیل کا نہیں ہے بلکہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے گریجویٹ ظفر علی خاںؒ کا ہے۔

تہذیبِ نو کے منہ پر وہ تھپڑ رسید کر

جو اس حرام زادی کا حلیہ بگاڑ دے

ان دو بزرگوں کے اشعار کو بطورِ حوالہ و سند اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ مولوی یا مولویوں کے حلقہ کا کوئی آدمی نازک اندامان تہذیب مغرب کو کوئی بات کہے تو ان لوگوں کے دماغوں کے پٹ کھل جاتے ہیں اور بے تحاشہ علماء و مشائخ کو سکہ بند گالیوں سے نوازنا شروع کر دیتے ہیں ورنہ مولوی بیچارے میں اتنی تاب کہاں ہے جو ایسی کہہ سکے جو علامہ اقبال اور ظفر علی خان کہہ گئے ہیں بات کسی جگہ کی ہو رہی ہو اور کسی موضوع پر ہو رہی ہو ملک کی غربت کا سوال ہو یا مسئلہ کشمیر۔ افغانستان کی دشمنی دوستی کی بات ہو یا مشرقی پاکستان کے طوفان کی ہر پھر کر نزلہ مولوی پر گرتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو پیغام بھیجا کہ میں اللہ کا نبی ہوں کفر و شرک کو چھوڑ کر اسلام کی راہ اختیار کرو۔ ملکہ نے اپنے وزراء امراء سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ہم طاقت و دبدبہ کے مالک ہیں کیوں جھکیں۔ ملکہ نے کہا نہیں

ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها وجعلوا اعزة اهلها اذلة کہ بادشاہ جب کسی قریہ میں داخل ہوتے ہیں فساد برپا کرتے ہیں اور وہاں کے معزز لوگوں کو

ذلیل بنا دیتے ہیں میں آزماتی ہوں کہ آیا سلیمان بادشاہ ہے یا نبی۔ علامہ اقبالؒ نے اس آیت کا شعروں میں مفہوم ادا کیا ہے۔

آ بتاؤں تجھ کو رمزِ آیۂ ان الملوک
سلطنت اقوامِ غالب کی ہے اک جادوگری
خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

بالکل یہی کچھ انگریز نے برصغیر ہندوستان میں کیا، ہم نے ان تمام باتوں کو قبول کر لیا جن کو صاحب بہادر نے قبول کرانا چاہا اور اس بات کا قطعاً احساس نہ کیا اور نہ اب تک ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ اب انگریز کی جگہ امریکیوں نے لے لی ہے اور ہمارے ملک میں دھڑا دھڑ امریکہ سے کتابیں درآمد کی جا رہی ہیں اور ان کا ترجمہ ہو رہا ہے کہ جس کا کھاؤ اس کے گن گاؤ۔ ہر دوسرے تیسرے ماہ امریکہ کے کسی نہ کسی رسالہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فرضی تصاویر، ہرزہ سرائی اور صحابۂ کرامؓ کے متعلق بے ہودہ گوئی کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے اور ہم پھر بھی امریکن علم و ادب کو ترقی کی معراج سمجھ کر سر آنکھوں پر رکھ رہے ہیں۔

اس بات پر کوئی دلیل لانے کی ضرورت نہیں کہ اسلام اپنی تعلیم اور عمل کے لحاظ سے (وہ عمل جو نسلاً بعد نسلاً وراثتاً تواتر سے ہم تک پہنچا ہے) ایسا مکمل اور اعلیٰ ہے کہ دنیا کا کوئی "ازم" اس کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ مسلمانوں نے غیروں سے مرعوب ہو کر اسے نظرانداز کر رکھا ہے۔ ملت کے تشخص میں شکل و صورت اور خوراک و لباس کا بھی اتنا ہی دخل ہے جتنا دوسرے اعمال و افعال کا جو اسلام نے ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیئے ہیں ——— عزیز محترم حافظ فضل الرحمٰن سلمہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں دنیا کے اکمل ترین انسانؐ کا اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے خدا انہیں جزائے خیر دے اور اپنے گرامی قدر والد ماجدؒ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے جن کے متعلق ہمارا یقین ہے کہ وہ "مردِ مومنؒ" کی سچی تصویر تھے۔

عبد الستار

وضاحت

شروع شروع میں مَیں نے اس کا التزام کیا تھا کہ ہر روایت کو بحوالۂ کتاب و راوی نقل کروں لیکن جب کام ذرا آگے بڑھا تو بار بار حوالۂ کتاب مجھے بے فائدہ نظر آیا اوّل تو اس لئے کہ میں اس کتاب کو تحقیق و تنقید کے مواد کے طور پر پیش نہیں کر رہا تھا بلکہ میرا مقصد وعظ و ارشاد کے نقطۂ نگاہ سے اول سے آخر تک یہی تھا کہ روایات کا ایک ایسا ذخیرہ جمع کر دیا جائے جس سے مسلمانوں کو تعمیر سیرت و صورت میں مدد ملے اور حضرت رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے بعض ضروری گوشے ان کے سامنے آجائیں تاکہ اگر یہ لوگ اپنے روزمرہ کو اس سانچے میں ڈھالنا چاہیں تو کسی واضح خاکے کی غیر موجودگی ان کے لئے عذر نہ بن سکے۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لئے کتابی حوالہ جات کی بھرمار کرنا ایک غیر ضروری چیز تھی۔ دوسرے اس لئے کہ میں نے اپنے آپ کو پابند کر لیا تھا کہ متعلقہ مواد کے لئے میں صحاح ستہ سے باہر نہ جاؤں گا پھر جب اس حدود بندی میں مجھے کچھ تشنگی کا احساس

کو دیکھو تو دو سر سے لے کر پاؤں تک ایک مکمل انگریز نظر آئے گا۔ ظالم انگریز ظاہری لحاظ سے تو چلا گیا مگر معنوی اور روحانی لحاظ سے اپنی اتنی اولاد یہاں چھوڑ گیا ہے جو انگریز کے مشن کو خود انگریز سے بھی بڑھ کر کامیاب بنانے کے لئے کافی دراق ہے۔

اب انگریز بہادر کی تربیت سے لئے غلام احمد قادیانی غلام احمد پرویز اور ڈاکٹر فضل الرحمٰن پیدا ہو گئے ہیں کہ اسلام کی مقدس تعلیمات کو مسخ کرنے اور احادیثِ رسولؐ سے مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کے لئے نہ کسی انگریز کی ضرورت رہی ہے نہ کسی شیطان کی یہ صورتِ حالات ہر درمند باغیرت مسلمان کیلئے انتہائی تکلیف دہ ہے میں بھی ایک عرصہ سے اسے دیکھ دیکھ کے کڑھتا رہتا تھا۔ پھر میرے دل میں خیال آیا کہ نوجوان نسل کی یہ بے راہ روی اور یہود و نصاریٰ کی اندھا دھند پیروی کہیں اس وجہ سے نہ ہو کہ سیرتِ نبوت اور اسوۂ رسالت کا کوئی واضح خاکہ ان کے سامنے نہیں۔ تب میں نے ارادہ کر لیا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک شکل و صورت اور پاکیزہ خوراک و پوشاک کی ایک مفصل تصویر کتابی شکل میں ان کے سامنے پیش کروں تاکہ یہ فریب خوردہ شاہین بانیِ اسلام کی اس مقدس اور لاثانی سیرت و صورت کو اپنی آنکھوں سے

دیکھ سکیں جسے پروردگارِ عالم نے اپنی پسند کے مطابق بنایا اور تمام انسانیت کے لئے نمونہ قرار دیا۔ یہ بھولے بھٹکے امتی اپنے پیغمبر آخر الزمان سید و خاتم مرسلان حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے روشناس ہو جائیں جس کے سانچے میں ڈھل کر کبھی یہ خود فاتح عالم بن گئے تھے مجھے یقین ہے کہ آج بھی اگر مسلمان کا ضمیر بیدار ہو جائے اس کے سمندِ غیرت کو مہمیز کر دیا جائے تو یہ پھر وہی غیر فانی کارنامے سرانجام دے سکتا ہے جن سے سارا یورپ ایشیا بلکہ تمام غیر مسلم اقوام حیرت زدہ ہی نہیں انگشت بدنداں ہو گئی تھیں۔

کیوں گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری ہے تو
دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے صرف ان تین گوشوں کا انتخاب اس لئے کیا ہے کہ ہر خاص و عام اور جاہل و تعلیم یافتہ کا زیادہ تر ابتلا انہی باتوں میں ہے۔

کیا وہ مسلمان جو اپنی سیرت و صورت کی خوبی اور اخلاق و کردار کی پاکیزگی کی وجہ سے خلافتِ الٰہیہ کا حق دار تھا اس کی گراوٹ اور ذلت و رذالت اس سے

زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔

وائے گر پسِ امروز بود فردائے

اے پروردگار تو دنیا کے تمام مسلمانوں کو عموماً اور پاک و ہند کے مسلمانوں کو خصوصاً سیرت و کردارِ محمدی کا حامل بنا۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ محمدٍ و آلہٖ وصحبہٖ وازواجہٖ واتباعہم اجمعین

تہذیبِ حاضر کے دلدادہ جوانوں کے نام

علامہ اقبال علیہ الرحمتہ کا پیغام

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی
امارت کیا شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زورِ حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں
نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے راز دانوں میں
نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر   تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

پیشِ مقصد

پروردگارِ عالم نے نوعِ انسانی کی تخلیق اس غرض سے فرمائی ہے کہ انسان اس خاکدانِ عالم میں آکر اپنی زندگیِ مستعار کے شب و روز منشاءِ الٰہی کے مطابق گزارے۔ وہ اپنی ہر حس و حرکت میں، ہر سکون و قرار میں، ہر قول و فعل میں، چال ڈھال میں شکل و صورت میں، خوراک و پوشاک میں، چلت پھرت میں، رہن سہن میں، بیداری و خواب میں، بچپن جوانی اور بڑھاپے میں، فقر و فاقہ میں ناز و نعمت میں، ا[illegible] اور اسیری میں ریاست اور بادشاہی میں عبادات و معاملات محبت و مودّت میں، نفرت و وحشت میں، یعنی زندگی اور موت کے ہر موڑ پر وہ فرمانِ خداوندی کا پابند ہو، حکمِ الٰہی پر عمل پیرا ہو، یادِ حق میں مصروف و مشغول ہو، یہی وہ مقصدِ تخلیق ہے جس کو قرآنِ پاک نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ کہ میں نے جنّوں اور انسانوں کو صرف اور صرف اپنی

عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ مگر اس منشاءِ الٰہی کی تکمیل فرمانِ خداوندی کی تعمیلِ حکمِ ربانی کا اتباع۔ یادِ الٰہی میں اشتغال۔ اور عبدیتِ کاملہ کا مظاہرہ ظلوم و جہول انسان سے اس وقت تک ناممکن تھا جب تک کہ اس کے سامنے کوئی عملی تصویر اور مثالی نمونہ نہ ہوتا خداوند تعالےٰ نے انسان کو اپنی منشا کی عملی تصویر اور اپنی پسند کا مجسم نمونہ دکھانے کے لئے اپنے نگار خانۂ خلق کے شاہکار کائناتِ انسانی و ملکی کے درِ شہوار سید الانبیاء والمرسلین محبوب رب العالمین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ان کی کتابِ زندگی کی تالیف، تصنیف، تبویب اور تزیین و تہذیب میں قلمِ قدرت کی ساری ندرت کاریاں ختم کر ڈالیں۔ اس بات کو قرآنِ پاک نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا یقیناً تمہارے واسطے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں زندگی گزارنے کا بہترین نمونہ موجود ہے۔ خصوصاً اس شخص کے لئے جو خداوند تعالیٰ سے ملاقات اور روزِ قیامت کے حساب و کتاب پر یقین رکھتا ہو اور ذکرِ الٰہی اس کا اوڑھنا بچھونا بن گیا ہو۔ اس لحاظ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہر وقت

۱۹ ۲ ۰ ۴

مسلمان کے پیشِ نظر رہنی چاہیئے اور آپؐ کی کتابِ زندگی کے چمکتے ہوئے اوراق کو اپنے لئے مشعلِ راہ سمجھنا چاہیئے تاکہ ہم تمام بنی نوعِ انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور آپؐ کی سیرت و کردار کی روشنی میں اپنے عمل کی ان راہوں پر چل سکیں جو ہمیں منشاءِ الٰہی اور مرضیاتِ خداوندی کی منزل تک پہنچا سکیں اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی زندگی کے سینکڑوں نہیں ہزاروں گوشے ہیں جن کا استیعاب تو بڑے بڑے دفتروں میں بھی ناممکن ہے۔ اس لئے وقت کی ضرورت کے لحاظ سے اس وقت آپؐ کی سیرتِ طیبہ کے صرف تین گوشوں کو اجاگر کرنا مقصود ہے کیونکہ عامۃ الناس بالخصوص ہماری بد نصیب نسل نے اس وقت انہی تین باتوں کو نظر انداز کر کے اپنی شکل و صورت کو مسخ کیا ——— اور اپنی خوراک و پوشاک کو بگاڑ لیا ہے جس کے نتیجے میں ہماری قومی خودداری بے نام و نشاں ہو گئی او ہم دنیا کی ذلیل ترین قوموں کی گندی تہذیب اور لعنتی تمدن کے غلام بے دام بن گئے سے

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

۱۹۸۰-۴

باب اوّل

اُسوۂ رسولؐ

شکل و صورت میں

صورتِ مبارک میں اسوۂ حسنہ

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صورتِ اطہر آپ کی کسبی اور وہبی خوبیوں کی وجہ سے حسن و جمال کا مرقع تھی شکلِ مبارک اتنی پاکیزہ چہرۂ انور اتنا منور جبینِ مقدس اتنی روشن اور خدوخال ایسے لطیف اور پُرکشش تھے۔ کہ جو دیکھتا بس دیکھتا ہی رہ جاتا۔ بار بار دیکھنے کو جی چاہتا مگر رعبِ حسن کی وجہ سے مکرر دیکھنے کی ہمت نہ ہوتی سہ

عینِ وصال میں مجھے حوصلۂ نظر نہ تھا
گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہِ بے ادب

شکلِ مبارک کی یہ خوبیاں پروردگارِ عالم نے آپ کو وہبی طور پہ عطا فرمائی تھیں۔ اس لئے ہم لوگ ان کی ریس کرنے اور انہیں اپنانے کے پابند نہیں اور نہ ہی وہبیات میں کسی سے مماثلت پیدا کی جا سکتی ہے۔ ہمارا موضوعِ بحث آپ کی وہ اختیاری خوبیاں ہیں جنہیں آپ نے اپنے لئے یا امتِ مسلمہ کے لئے امرِ خداوندی کے مطابق موزوں سمجھ کر اختیار فرمایا اور لساقات لوگوں کو بھی ان کی تعمیل کرنے کا حکم دیا۔ جیسے سرِ مبارک پر پٹے یا چہرۂ انور پر داڑھی کا رکھنا اور مونچھوں کا کٹوانا یا سر پر عمامہ باندھنا ٹوپی پہننا اور بیٹھ کے دائیں ہاتھ سے کھانا پینا وغیرہ

سر کے بالوں میں سنتِ نبوی

آج کل انگریزی طرز کے بودے رکھنے کا عام رواج ہو گیا ہے جو ہماری تہذیب پر انگریزی تہذیب و تمدن کے غلبے کا اثر ہے۔ بچے بوڑھے اور جوان سبھی اسے فیشن اور ترقی پسندی سمجھ کر اختیار کر رہے ہیں حالانکہ اس قسم کا بودا احکام رسول کی صریح خلاف ورزی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ یا تو سارے سر پر بال رکھو یا سارے سر کے بال منڈوا دو۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۰)

سر کے کچھ حصے پر بال رکھنے اور باقی سر سے منڈوا دینے کو آپ منع فرماتے تھے جیسے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قزع سے منع فرمایا ہے۔ لوگوں نے پوچھا قزع کیا ہے تو آپ نے فرمایا سر کے کچھ حصے کے بال مونڈے اور باقی رکھے جائیں۔ (ابن ماجہ صفحہ ۲۶۷) اب دیکھئے بودے میں یہی صورت ہوتی ہے کہ گردن اور کانوں کے اوپر سے چوٹی تک بال ہلکے کروائے جاتے ہیں اور باقی سر پر پورے رکھے جاتے ہیں۔ یہ سنتِ نبوی اور طریقۂ اسلاف کی مخالفت ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور سے سر پر پورے بال رکھے ہیں۔ جن کی مقدار وقتاً فوقتاً گھٹتی بڑھتی رہی ہے (خصائل بر شمائل ترمذی صفحہ ۲۵)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کے بال نصف کانوں تک تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کے بال کانوں کی لو سے ذرا نیچے تک اور کندھوں سے ذرا اوپر تک تھے (خصائل بر شمائل ص۲۵)

براء ابن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کے بال کندھوں کو چھوتے ہوئے دیکھے خصائل بر شمائل ص۲۶

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کے بقول چند مرتبہ آپ کا سر کو بالکل منڈوا دینا بھی ثابت ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک تو سوگ منانے سے منع نہیں فرمایا اس کے بعد (یعنی چوتھے دن) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ آج کے بعد میرے بھائی پر ہرگز نہ رونا پھر آپ نے فرمایا میرے بھتیجے میرے پاس لاؤ عبداللہ کہتے ہیں کہ ہم سب کو آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا گویا کہ ہم چھوٹے چھوٹے چوزے تھے پھر آپ نے فرمایا کہ نائی کو بلاؤ جب وہ آگیا تو آپ نے حکم دیا کہ سب بچوں کے سر مونڈ دو چنانچہ اس نے ہمارے سر مونڈ ڈالے مشکوٰۃ ص۳۸۴

یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حکم دے کر بچوں کے سر منڈوائے ہیں اسی طرح حضرت علیؓ سے ثابت ہے کہ وہ اپنا سر منڈوایا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع نہیں فرمایا ۔(امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۱۳) اس سلسلہ میں حضرت علیؓ کا یہ مقولہ بھی مشہور ہے وَمِن ثَمَّ عَادَيتُ رَاْسِی یعنی اس دن سے میں نے اپنے سر سے دشمنی اختیار کر لی جب سے میں نے حضور علیہ السلام سے سُنا کہ تحتَ کل شعرةٍ جنابَةٌ کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے یعنی اس دن سے سر مستقل طور پر منڈوانا شروع کر دیا اس بنا پر سر کے بالوں کے متعلق مقدار کے لحاظ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار مستقل سنتیں ہوئیں (۱) نصف کانوں تک (۲) کانوں اور کندھوں کے درمیان تک (۳) کندھوں تک (۴) بالکل منڈوا دینا ۔ چار مستقل سنتیں ہونے کی وجہ سے عمل میں خوشگوار توسّع ثابت ہو گیا تاکہ جس کو ان چاروں طریقوں میں سے جونسا طریقہ زیادہ پسندیدہ ہو اسی پر عمل کر لے عمل میں اتنی وسعت مل جانے کے بعد بھی اگر کوئی شخص سنتِ رسول کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ یا کافروں اور مشرکوں کی سنت اختیار کرے تو اس کو بدبختی کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے ۔

بالوں کی تزیین و تدہین

جہاں آپ سر مبارک پر بال رکھنے کے عادی تھے وہیں ان کی صفائی اور

تزیین کا بھی خیال رکھتے تھے نہانا دھونا تو آپ کا معمول تھا ہی اس کے علاوہ گاہے گاہے آپ بالوں میں کنگھی بھی کر لیا کرتے تھے لیکن ہر وقت کنگھی چوٹی کرنے کو آپ ناپسند فرماتے تھے جیسے خصائل بر شمائل ص۲۸ میں حضرت عبد اللہؓ بن مغفل سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کنگھی کو منع فرماتے تھے مگر گاہے گاہے کر بھی لیا کرتے تھے۔ گاہے سے مراد معمولاً تیسرا دن ہے۔ یعنی ایک دن کے ناغے سے کنگھی کر لینا مناسب ہے۔ یہ تشریح قاضی عیاضؒ سے منقول ہے بحوالہ شمائل ص۲۸ اور حدیث شریف میں جو غبًا یعنی گاہے کا لفظ آتا ہے اس سے اس کی گنجائش نکلتی ہے۔ اسی طرح بالوں کو تیل لگانا بھی آپ کا معمول تھا۔ کیونکہ اس سے سر کی خشکی بھی دور ہوتی ہے اور بال بھی سنورے رہتے ہیں

حضرت انسؓ سے شمائل میں منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک پر اکثر تیل کا استعمال فرماتے تھے اور داڑھی شریف میں اکثر کنگھی کیا کرتے تھے اور اپنے سر پر ایک کپڑا ڈال لیا کرتے تھے جو تیل کے کثرتِ استعمال سے ایسا ہوتا تھا جیسے تیلی کا کپڑا خصائل بر شمائل ص۲۷ یعنی دوسرے کپڑوں کو آلودگی سے بچانے کے لئے سر پر ایک قسم کا غلاف ڈال لیتے تھے۔ تاکہ وافر تیل اس میں جذب ہو جائے اور دوسرے کپڑوں کو

تر نہ کر سکے سبحان اللہ فوائدِ دینی کے ساتھ آپ نے مصلحتِ جسمی کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا اگر آپ بال رکھتے مگر ان کی صفائی نہ کرتے یا ان میں کنگھی نہ کرتے یا ان میں تیل نہ لگاتے تو اصولِ صحت اور حقوقِ مصاحبت کے کتنا خلاف ہوتا ابوداؤد شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے بال بکھرے ہوئے دیکھے تو آپ نے بال سنوار لینے کا اشارہ فرمایا وہ شخص بال درست کر کے جب دوبارہ سامنے آیا تو آپ نے فرمایا کیا یہ صورت بہتر نہیں ہے بہ نسبت اس کے کہ کوئی شخص اس طرح بال بکھیرے ہوئے آئے جیسا کہ شیطان ہو۔ مالک بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳۸۴

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جس شخص کے بال ہوں تو اسے چاہیئے کہ ان کا اکرام کرے (ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳۸۴)

بالوں میں مانگ نکالنا

شروع شروع میں آپ مشرکین کی مخالفت اور اہلِ کتاب کی موافقت کرنے کے لئے مانگ نہیں نکالتے تھے لیکن آخر کار جب مشرکین نیست و نابود ہو گئے اور ان سے موافقت کا سوال باقی نہ رہا تو آپ نے مانگ نکالنا اپنا معمول بنالیا یہ مضمون شمائل میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے عورتوں

کی طرح لمبے لمبے بال رکھنے کو آپ ناپسند فرماتے تھے جیسے آج بھی بعض ملنگ اور فقیر لمبی لمبی جٹیں رکھ لیتے ہیں جو کندھوں سے بھی نیچے تک بکھری رہتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منحوس قرار دیا ہے جیسے ابن ماجہ ص۲۶۷ میں وائل ابن حجرؓ کا واقعہ اس کی دلیل ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے لمبے لمبے بال دیکھے تو فرمایا ذُناب ذُناب۔ یعنی ناپسندیدگی اور نحوست کی طرف اشارہ فرمایا حضرت وائلؓ کہتے ہیں کہ میں آپ کی منشا سمجھ گیا اور جاتے ہی بال چھوٹے کرالئے تو آپ نے اس کی تحسین فرمائی۔

حجاج بن حسان کی بہن حضرت مغیرہ کہتی ہیں کہ حجاج ابھی چھوٹا ہی تھا کہ ہم حضرت انسؓ کے پاس گئے حجاج کے سر پر دو میڈھیاں یا جوڑے تھے بنے ہوئے تھے انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا دی اور فرمایا کہ ان کو کٹوا دو کہ یہ تو یہودیوں کی طرز ہے۔ ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ ص۳۸۴

اس سے معلوم ہوا کہ لمبی لمبی جٹیں یا زلفیں رکھنا حضور علیہ السلام یا حضرت علیؓ کی سنت نہیں بلکہ یہ تو یہودیوں کی نقالی ہے جو صراحتہً ممنوع ہے۔

ریش مبارک میں اسوۂ حسنہ:۔

داڑھی مومن کا نور مرد کی زینت اسلام کا شعائر انبیاء کی سنت اور رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے اس بنا پر مسلمان کا داڑھی جیسی مقدس اور پر فضیلت چیز سے عاری ہونا انتہائی بدقسمتی کے علاوہ اس کی شانِ اسلام کے خلاف ہے لیکن آج کل داڑھی منڈانے کی وبا اتنی عام ہوگئی ہے کہ داڑھی رکھنے والے افراد معاشرے میں ایک قسم کے اچھوت بن گئے ہیں مگر آفرین ہے انہی اچھوتوں کو کہ معاشرے کی ساری مخالفتوں کے باوجود بھی فرمانِ رسول کے مطابق یہ لوگ سو شہیدوں کا ثواب پا رہے ہیں آپ کا ارشادِ گرامی ہے مَنْ اَحْيَا سُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ یعنی میری امت کے بگڑ جانے کے وقت جس نے میری کسی سنت کو زندہ کیا (یعنی ماحول کے مخالف ہونے کے باوجود مضبوطی سے اس پر عمل کیا) اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر بھرپور داڑھی تھی۔ قاضی عیاض رح کی تصنیف شفا میں یہ روایت مذکور ہے كَانَ كَثَّ اللِّحْيَةِ تَمْلَاُ صَدْرَهٗ۔ شفاء قاضی عیاض بحوالہ حلیۃ الحلیہ ص۱ آپ کی ریش مبارک اتنی گھنی اور بھرپور تھی کہ سینۂ اطہر کو بھر دیتی تھی کث اللحیہ کے الفاظ امام ترمذی نے بھی حلیہ شریف کے ذیل میں نقل کئے ہیں کہ آپ گھنی داڑھی والے تھے۔ خصائل بر شمائل ص۱۱ علامہ محمد ہاشم سندھی رح نے اپنی بیاض میں حضرت عمروؓ بن شعیب کی روایت سے شرح شرعۃ الاسلام کے حوالہ سے ایک حدیث نقل فرمائی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں

إِنَّهٗ صلی اللّٰہُ علیہِ وسلم کَانَ یَأْخُذُ مِنْ لِحْیَتِہٖ طُولًا وَّ عَرْضًا إِذَا زَادَ عَلَی الْقُبْضَۃِ۔ شرح شرعۃ الاسلام ص۲۹۸ بحوالہ داڑھی کی شرعی حیثیت ص۸۴ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک جب چار انگل سے زائد ہو جاتی تھی تو آپ لمبائی اور چوڑائی میں کسی قدر کتر لیا کرتے تھے اس حدیث شریف سے جہاں مسلکِ احناف کے مطابق مقدارِ قبضہ سے زائد کو کٹا دینے کی اجازت بلکہ استحباب ثابت ہوتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کم از کم چار انگشت تو ضرور ہوتی تھی اور جب اس سے زائد ہو جاتی تھی تو آپ کترا دیتے تھے امام ترمذیؒ نے اگرچہ مَا زَادَ عَلَی الْقُبْضَۃ کی زیادتی نقل نہیں فرمائی تاہم تعاملِ صحابہؓ تعاملِ تابعینؒ اور تعاملِ امت سے اس زیادتی کی توثیق ہو جاتی ہے داڑھی سے متعلق عام احادیث ماضی استمراری کے صیغوں سے نقل ہوئی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی ایک آدھ دفعہ کا واقعہ نہیں بلکہ یہ تو آپ کی سنتِ دائمہ اور عادتِ مستمرہ تھی۔ کتاب الآثار الامام محمد میں محمد بن ابی حنیفہ عن ہثیم عن ابن عمرؓ یہ روایت موجود ہے إِنَّهٗ کَانَ یَقْبِضُ عَلَی اللِّحْیَۃِ ثُمَّ یَقُصُّ مَا تَحْتَ الْقُبْضَۃِ۔ بحوالہ داڑھی کی شرعی حیثیت ص۸۵ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ داڑھی مبارک کو مٹھی میں پکڑ کر جو نیچے بچی ہوتی اسے کاٹ دیتے عاشق سنتِ رسول

حضرت ابنِ عمر کا یہ فعل خلافِ سنتِ رسول نہیں ہو سکتا۔ پس معلوم ہُوا کہ حضور علیہ السلام کی ریش مبارک کم از کم چار انگل ضرور ہوتی تھی اس سے زائد کو آپ کٹا دیتے ہوں گے جس سے ترمذی کی روایت کا عقدہ بھی حل ہو گیا کہ آپ ریش مبارک کو طول و عرض سے چھانٹ لیتے تھے یعنی مٹھی بھر سے زائد ہو جانے کے بعد۔

داڑھی بڑھانا سنتِ رسول ہی نہیں حکمِ خداوندی ہے :-

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ داڑھی رکھنا یا بڑھانا سنتِ رسول ہے رکھ لیں تو ثواب ہے نہ رکھیں تو گناہ بھی کوئی نہیں آئندہ جو روایت نقل ہو رہی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا داڑھی رکھنا اور رکھانا عادتِ عرب یا تقاضائے طبعی کے ماتحت نہ تھا بلکہ اس کا منشا حکمِ خداوندی تھا۔

باذان گورنر یمن کے داڑھی منڈے سفیر جب دربارِ رسالت میں پہنچے تو آپ کو ان کی منڈی ہوئی داڑھی اور بڑھی ہوئی مونچھیں دیکھ کر سخت صدمہ ہُوا اور فرمایا تمہاری ہلاکت ہو تمہیں کس نے کہا ہے کہ ایسی مکروہ شکل بناؤ انہوں نے کہا ہمارے رب یعنی بادشاہِ کسریٰ نے۔ آپ نے فرمایا لیکن مجھے تو میرے رب نے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم دیا ہے۔ داڑھی کی قدر و قیمت صـ ۴۸

اس سے معلوم ہوا کہ داڑھی منڈانے والا رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں سے اتنا گر جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں فرماتے۔ داڑھی منڈے عشاقِ رسول کو اس سے سبق لینا چاہیئے مبادا میدانِ حشر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چہرۂ انور کو ان کی طرف سے پھیر لیں تو پھر ان لوگوں کا ٹھکانا کہاں ہوگا۔

گرے جو آسماں سے اس کا بچ جانا تو ممکن ہے
تری آنکھوں سے گِر کر زندگی موہوم ہے ساقی

اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ داڑھی بڑھانے کا حکم آپ نے اپنی طرف سے نہیں دیا بلکہ حکم تو خدا کا ہے اور آپ اس حکم خداوندی کو نافذ کرنے والے ہیں لہٰذا سنت سمجھ کے اسے ترک کر دینا حکمِ الٰہی کو نہ ماننے کے مترادف ہے اسی طرح طبقات ابنِ سعد میں یہ حدیث موجود ہے کہ اَمَرَنِی رَبِّی باعفاءِ لحیتی وقص شواربی یعنی مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ اپنی داڑھی بڑھاؤں اور مونچھیں کترواؤں۔ طبقات بحوالہ داڑھی کی قدر و قیمت صہ ۳۶

داڑھی بڑھانا رواج نہیں ایک دینی امر ہے:-

درمنثور میں یہ روایت ہے کہ بڑی بڑی مونچھوں اور منڈی ہوئی داڑھی

والا ایک مجوسی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کی مکروہ شکل کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے پوچھا کہ یہ حلیہ کیوں بگاڑ رکھا ہے تو اس نے کہا یہ تو ہمارا دین ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ ہمارے دین میں تو یہ حکم ہے کہ مونچھیں کٹائی جائیں اور داڑھی بڑھائی جائے۔ (در منثور) تو معلوم ہوا کہ داڑھی بڑھانا صرف رواجِ عرب یا عادتِ رسول ہی نہیں بلکہ دینِ اسلام کا ایک اہم مسئلہ ہے جسے شعارِ اسلام کہنا چاہیئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹوانے پر اتنا زور اس لئے بھی دیا تھا کہ اس سے مجوسیوں یہودیوں نصرانیوں اور کفار و مشرکین کی مخالفت کرنا مقصود تھا اور جس چیز کو دوسرے مذاہب کے بالمقابل بطور نشان کے اختیار کر لیا جائے وہ مذہبی شعار ہوتا ہے۔

داڑھی بڑھانا شعارِ اسلام ہے:۔

مونچھیں کٹانے کا شعارِ اسلام ہونا ہونا تو اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ یَاْخُذْ مِنْ شَارِبِہٖ فَلَیْسَ مِنَّا

(ترمذی مشتا) یعنی جس نے اپنی مونچھیں نہ کٹوائیں وہ ہم میں سے نہیں ہے مطلب

یہ ہے کہ وہ مسلمان نہیں سمجھا جائے گا کیونکہ اس کا چہرہ اسلامی نشان کے مطابق نہیں۔ داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹوانے دونوں کے مشترکہ شعارِ اسلام ہونے پر یہ حدیث مضبوط دلیل ہے۔

⊙ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَفِّرُوا اللُّحٰى وَاحْفُوا الشَّوَارِبَ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ خَالِفُوا الْمَجُوْسَ

(بخاری صـ۸۷۵ ج ۲)

یہ دونوں روائتیں بخاری اور عینی میں منقول ہیں یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ داڑھیاں بڑھا کر اور مونچھیں جڑ سے کترا کر مشرکین کی مخالفت کرو اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ مجوسیوں کی مخالفت کرو۔ تو گویا داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کا حکم اسلام نے اس لئے دیا ہے تاکہ بڑھی ہوئی داڑھی اور کٹی ہوئی مونچھیں اسلام کا نشان بن جائیں اور دیکھتے ہی داڑھی والا شخص یہودیوں اور مجوسیوں سے ممتاز ہو جائے یہی فائدہ حاصل کرنے کے لئے مذاہب میں اپنے اپنے شعار مقرر کئے جاتے ہیں اس لئے داڑھی کا شعارِ اسلام ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور اس کے برعکس داڑھی منڈانے اور مونچھیں بڑھانے کو شعارِ کفر ہی قرار

دیا جائے گا کیونکہ یہ ان کا نشان ہے۔

داڑھی کے متعلق اسوۂ صحابہؓ:۔

فتح القدیر میں حضرت عمرؓ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ کی داڑھی بڑی ہوتی تھی اور مٹھی بھر سے زائد کو کترا دیا کرتے تھے۔ تاریخ ابن کثیر میں حضرت عثمان غنیؓ کے متعلق منقول ہے کہ کَانَ کَبِیرَ اللِّحیَۃِ یعنی آپ بڑی داڑھی والے تھے۔ فتح القدیر میں حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق بھی ہے کہ آپ کی داڑھی بڑی تھی اور آپ چار انگل سے زائد کو کٹوا دیتے تھے اتحاف السعادۃ میں ہے کہ یہ بات تو پہلے گزر چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھنی داڑھی والے تھے اسی طرح حضرت ابو بکرؓ کی داڑھی بھی گھنی ہوتی تھی مگر حضرت عثمانؓ کی داڑھی پتلی اور لمبی تھی اور حضرت علیؓ کی داڑھی تو اتنی چوڑی اور پھیلی ہوئی تھی کہ اس نے آپ کے کندھوں کے درمیان سینہ مبارک کو بھر رکھا تھا۔ (اتحاف السعادۃ شرح احیا ج ۲ ص ۴۲۶)

شعائرِ دین سے ہماری غفلت اور بے عملی کے اسباب

صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے بعد دور تابعین سے لے کر ہندوستان میں انگریزوں کی آمد تک داڑھی رکھنے پر پوری امت کا تعامل تھا۔ ہندو اور جاٹ اگرچہ

داڑھی منڈاتے تھے مگر مسلمان چونکہ حکمران قوم کے افراد تھے اس لئے وہ ہندوؤں جاٹوں اور دیگر کافر اقوام کی تہذیب سے مرعوب نہ تھے داڑھی رکھنے کو شرافت اور معزز ہونے کی علامت سمجھا جاتا تھا اس لئے کسی مسلمان کے داڑھی منڈوا دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ تو انگریزوں کے ناپاک قدموں کی نحوست ہے جب سے وہ ہندوستان میں حکمران ہو کر آئے انہوں نے اسلام کے فرزندوں سے بارہ سو سالہ تاریخ کا انتقام لینے کے لئے ان کی تہذیب و تمدن کو ان کے فیشن و کلچر کو ان کے علوم و فنون کو ان کے دین و مذہب کو ان کے عقائد و خیالات کو بگاڑنے اور مسلمان قوم کو نام کے سوا باقی ہر لحاظ سے کافر و ملحد بنا دینے کا ایک زبردست پروگرام بنایا اور اس غرض سے اپنی حکومت کی پوری مشینری وقف کر دی یورپ سے پادری منگوائے ان کی مشنریاں قائم کیں جنہوں نے ہسپتالوں سکولوں کالجوں پمفلٹوں، جلسوں مناظروں اور جعلی نبوتوں کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنے دین حنیف سے منحرف کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا درس گاہوں میں ایسا نصاب تعلیم رائج کیا جس سے مسلمانوں کی نوجوان نسل نام کے لحاظ سے تو گو مسلمان رہی۔ مگر دل و دماغ ذہن و فکر سوچ بچار شکل و صورت خوراک و پوشاک اور رہن سہن کے لحاظ سے پوری انگریز بن گئی۔ یہی لارڈ میکالے کی سکیم تھی جو اس انگریزی نصاب کا اولین مصنف

تھا اس نے برملا کہا تھا کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ایسا نصاب تعلیم تیار کریں جسے پڑھ کر مسلمان خواہ انگریز تو نہ بن سکیں مگر مسلمان بھی نہ رہیں افسوس مسلمانوں کی سیاہ بختی کی وجہ سے دشمنان اسلام کی یہ سکیم پوری ہو کر رہی اور انگریز تو چلا گیا مگر انگریز کا لگایا ہوا یہ تخم خبیث خوب پھل پھول رہا ہے اس زیور تعلیم سے آراستہ نوجوان اپنے آباؤ اجداد کو احمق اپنی تہذیب و تمدن کو جاہلیت اپنے علوم و فنون کو ملائیت اور اپنے تاریخی کارناموں کو حوادث اور افسانے سمجھ رہا ہے۔ آہ ؂

وہ فریب خوردہ شاہیں جو پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہبازی

انگریزی حکومت کے جاہ و حشم کو دیکھ کر انگریز قوم کے تعیش پسند معاشرے کا مشاہدہ کر کے اور انگریزی سکولوں کالجوں میں تعلیم پا کر مسلمان نوجوان آتنا مرعوب شکست خوردہ اور احساس کمتری میں مبتلا ہو گیا کہ انگریز اور یورپ سے تعلق رکھنے والی ہر فضول و واہیات شے میں اسے اپنی کامیابی و ترقی نظر آنے لگی اور اس کی ہر گھٹیا اور کمینی ادا کو یہ اپنے لئے ذریعۂ نجات اور وسیلۂ فوز و فلاح سمجھنے لگا۔

آج اگرچہ ظاہری طور پر ہم آزاد ہیں لیکن ہماری نئی پود اور نوجوان نسل ذہنی اور فکری لحاظ سے بری طرح یورپ و امریکہ کی غلامی میں مبتلا ہے یہ اسی کا اثر ہے کہ

انہوں نے سر سے ٹوپی اتار لی تو ہم نے عمامہ اتار دیا انہوں نے سر پر بودے رکھے تو ہم نے بھی اس بودے پن کو قبول کر لیا انہوں نے داڑھی سے نجات حاصل کی تو ہم نے بھی مجرموں کی طرح داڑھی منڈوا کے اطمینان کا سانس لیا۔ انہوں نے شلوار چھوڑ کر پتلون پہنی تو انتہائی شرمناک لباس ہونے کے باوجود ان کی نقالی میں ہم نے بھی اپنی شلوار اتار دی انہوں نے اپنے مذہبی شعار کے طور پر شبیہہ صلیب کو ذرا تراش خراش کر کے ٹائی کی صورت میں گلے میں باندھا تو ہم نے بھی غلامی اور پھانسی کا یہ پھندا ہنسی خوشی اپنے گلے میں ڈال لیا انہوں نے مذہب کو انفرادی معاملہ قرار دے کر قومی اور اجتماعی طور پر سائنسی ترقی کو اپنا مطمح نظر بنایا تو ہم نے سائنسی ترقی کو تو نظر انداز کر دیا مگر مذہب اور قابلِ احترام مذہبی شخصیات کو اپنی تضحیک اور استہزاء کا نشانہ بنالیا نتیجۃً ہمارے مذہب ہماری تاریخ ہمارے کلچر اور ہماری قوم سے وہ خوفناک انتقام جو عیسائی اور یہودی تیرہ صدیوں میں نہ لے سکے وہ ہمارے اس فریب خوردہ شاہین یعنی بھٹکی ہوئی نوجوان نسل سے پچھلے پچاس برس میں لے لیا۔

زمانے کے ستم تو سہہ ہی لیتے　　عزیزوں کے کرم نے مار ڈالا

یہ سلسلہ خدا کرے یہیں رک جائے ورنہ خطرہ ہے کہ یورپ و امریکہ والے تو مادر زاد ننگے ہوئے اور شاہراہوں اور پارکوں میں بر سرِ عام جنسی وظیفہ سر انجام دینے

میں بڑا فخر محسوس کرنے لگے ہیں کبھی اسی طرح ہمارے نوجوان بھی ان انسان نما چوپایوں کے ڈگر پر چل کر شرم وحیا اور دین دھرم کو خیر باد نہ کہہ دیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْھَا ؎

ہے تہذیبِ فرنگی کا یہ تحفہ کہ انسانوں کو حیواں کر کے چھوڑا

داڑھی کی تعریف :-

عربی میں داڑھی کو لحیہ کہتے ہیں اور لحیہ دراصل نچلا جبڑا ہے تو گویا چہرے کے جو بال نچلے جبڑے کے بالمقابل ہوں گے حقیقتاً تو وہی داڑھی کی تعریف میں آئیں گے اور جو بال اس حد سے خارج ہیں۔ وہ داڑھی کی تعریف سے بھی خارج ٹھہریں گے پس بالائی جبڑے پر جو بال ہیں وہ چونکہ داڑھی نہیں اس لئے ان کے منڈا دینے یعنی خط بنا لینے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر یہ خیال کرتے ہوئے خط بھی نہ بنوایا جائے کہ خط بنوانا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں تو بے شک یہ بھی ثواب کا باعث ہوگا۔

داڑھی کی مقدار لمبائی میں :-

داڑھی بڑھانے کے متعلق حدیث شریف میں پانچ قسم کے الفاظ ملتے ہیں

اَعۡفُوا - اَدۡفُوا - اَرۡخُوا - اَرۡجُوا - وَفِرُّوا - ان کے معنی داڑھی رکھنے کے نہیں بلکہ داڑھی بڑھانے کے ہیں تو گویا ان سب کا مشترکہ مفاد یہی ہے کہ داڑھی کو اپنی طبعی حالت پر بڑھنے دیا جائے جہاں تک بھی وہ بڑھتی جائے جیسا کہ علامہ نودیؒ نے شرح مسلم میں اسی سے ملتے جلتے الفاظ لکھے ہیں ان الفاظ کی بنا پر یہ دعوے لاریب کیا جا سکتا ہے کہ اگر بعض آثارِ صحابہ سے مٹھی بھر سے زائد داڑھی کو کترا دینا ثابت نہ ہو جاتا تو مقدارِ قبضہ سے زائد کا کترا دینا بھی ویسے ہی حرام ہوتا جبکہ اس سے کم کا کترانا حرام ہے اس میں شک نہیں کہ نچلے جبڑے کے اوپر جتنے بال ہیں خواہ ایک چاول کی مقدار میں ہوں یا کم و بیش اندروئے لغت انہیں داڑھی کہنا صحیح ہے لیکن داڑھی رکھنا کوئی لغتِ عرب کا حکم نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کا حکم ہے جو آپ نے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیا اس لئے اس حکم کی تعمیل کے لئے ہمیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے عمل کو دیکھنا ہوگا کہ انہوں نے کس طرح اس حکم کی تعمیل کی۔ جب اس نظر سے ہم تاریخ کو دیکھتے ہیں تو ہمیں بلاخوفِ تردید اس دعویٰ کی پوزیشن حاصل ہو جاتی ہے کہ زمانۂ رسول میں نہ دورِ صحابہ میں اور نہ ہی عصرِ تابعین میں کسی بھی شخص کی داڑھی مٹھی بھر سے کم ثابت نہیں کی جا سکتی تو گویا خیر القرون کی پوری تاریخ ایسی

ایک بھی جزئی پیش کرنے سے قاصر ہے جس سے دورِ حاضر کے بعض "مفکرین" کو کچھ سہارا مل سکتا اور کسی درجے میں ان کی بات رہ جاتی تو جو داڑھی مٹھی بھر سے کم ہے اسے فیشن تو کہا جا سکتا ہے خود فریبی بھی کہہ سکتے ہیں مگر وہ شرعی داڑھی نہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل ہوتی ہو اس لئے داڑھی منڈانے اور مقدارِ مشت سے کم کو کترانے میں حقیقتاً کوئی فرق نہیں فرمانِ رسولؐ کی خلاف ورزی کرنے میں دونوں یکساں مجرم ہیں فاسق و فاجر ہونے کا جو حکم داڑھی منڈانے والے پر عائد ہوگا وہی کترانے والے پر بھی منطبق ہوگا اور جس طرح داڑھی منڈا امامت کرانے کے لحاظ سے نااہل ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اسی طرح داڑھی کترانے والا بھی ناقابلِ امامت ہے اس کے پیچھے فرض نماز اور تراویح صحیح نہیں ہوتی۔

داڑھی منڈوانے اور کترانے کا حکم:۔

داڑھی کو چار انگل کی مقدار تک بڑھانا واجب ہے اور اس سے کم کرنا کترا کے یا منڈا کے عملی طور پر حرام ہے۔ منڈانے یا کترانے کو مکروہ تحریمی کہنا صرف اس وجہ سے ہے کہ اس کا ثبوت نصِ قرآنی سے ثابت نہیں بلکہ صرف احادیثِ رسولؐ

سے ہے ورنہ عملی طور پر اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تاکیدی احکامات کی صریح خلاف ورزی ہے جنہیں آپ نے الفاظ بدل بدل کر مختلف پیرایوں میں ارشاد فرمایا اور خود اپنے اور صحابہؓ کے عمل سے اس کی تصدیق کی داڑھی منڈوانے یا کترانے والے شخص کی امامت بھی مکروہ تحریمی ہے ایسے شخص کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز واجب الاعادہ ہے خواہ فرض ہو یا نمازِ تراویح ایسے حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنے کی بجائے کسی ایسے شخص کے پیچھے تراویح پڑھ لینا اولیٰ ہے جو خواہ قل ہو اللہ کے ساتھ تراویح پڑھائے مگر اس کا چہرہ سنتِ رسول سے مزین ہو اگر کسی مسجد میں ایسا امام مقرر ہے تو اہلِ محلہ پر لازم ہے کہ وہ اس کو علیحدہ کر کے کسی عامل سنت کو امام مقرر کریں ورنہ سب گنہگار ہوں گے اگر ابتداءً کسی کو امام مقرر کرنا ہو تو دیگر شرائط کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ اس کی داڑھی مقدار مسنون سے کم تو نہیں اگر کم ہو یا بالکل ندارد ہو تو ایسے شخص کا امام مقرر کرنا بالکل ناجائز ہے۔ (مقتبس از فتاوی رشیدیہ ص ۲۹۲ و ص ۲۹۶ و ص ۲۹۷)

داڑھی مرد کی زینت ہے۔

جن قدرتی چیزوں کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورت کے بالمقابل

مرد کو امتیاز بخشتا ہے ان میں سے ایک داڑھی بھی ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ مردانگی کی اس قدرتی سند کو بڑے فخر کے ساتھ محفوظ رکھا جاتا مگر ہوتا یہ ہے کہ مردوں کی اکثریت داڑھی منڈوا کر عورتوں میں ملنا چاہتے ہیں داڑھی مونچھ منڈوا کر آج کے مرد اس قدر عورتوں کے مشابہ ہو جاتے ہیں کہ اب ان کے سروں پر عورتوں کی طرح خاصے لمبے لمبے بال نظر آنے لگے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دونوں کے سروں پر برابر کٹے ہوئے بال

اور آج کل تو مردوں نے لباس بھی عورتوں کی طرح چھینٹ دار پہننا شروع کر دیا ہے تاکہ یہ ظاہری فرق بھی باقی نہ رہ جائے۔ ایک پتلون اور شلوار کا فرق پھر بھی باقی تھا سو عورتوں نے جرأت کر کے شلوار کی بجائے مردوں سے پتلون بھی چھین لی ۔

بیچارہ مرد اب کس کام کا ہے جیسے عورت نے ہر پہلو پچھاڑا

بعض مرد بڑی بڑی مونچھیں رکھ کر اپنی مردمی کا اظہار کرنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ مرد تو کیا بنیں گے اچھے خاصے جانور بن جاتے ہیں پھر بطورِ فخر کہتے ہیں کہ شیروں کی مونچھیں بڑی ہی ہوتی ہیں مانا کہ تم شیر بن گئے مگر انسان اور مرد بننا تو تمہیں نصیب نہ ہوا۔ ع

خدا تجھ کو نگاہِ دوربین دے

مرد و عورت دونوں از روئے شریعت اپنی اپنی حدود کے پابند ہیں۔ نہ تو عورت کو یہ زیبا ہے کہ اپنی ادائے نسوانیت اتار کر مردوں کی ہم شکل بننے کی کوشش کرے اور نہ ہی مرد کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ فیشن میں مبتلا ہو کر داڑھی مونچھ منڈا کر عورتوں کی شکل و شباہت اختیار کرے ایسے مرد اور ایسی عورتیں دونوں خدا کی نگاہ میں ملعون ہیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

○ لَعَنَ اللّٰہُ الْمُتَشَبِّهِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ۔ (بخاری بحوالہ مشکوٰۃ صفحہ ۳۸۰)

یعنی اللہ تعالیٰ نے لعنت بھیجی ہے عورتوں سے مشابہت کرنے والے مردوں پر اور مردوں سے مشابہت کرنے والی عورتوں پر۔

داڑھی اسلام کا زیور ہے:۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عام طور پر مجوس اور مشرکین داڑھیاں کتراتے اور مونچھیں بڑھاتے تھے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا جیسے امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ

○ خالفوا المشرکین احفوا الشوارب واعفوا اللحی مونچھیں کٹا کر اور داڑھیاں بڑھا کر مشرکین کی مخالفت کرو اسی طرح

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جزوا الشوارب وارخوا اللحی خالفوا المجوس۔

مونچھیں کتراؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ اس طرح مجوسیوں کی مخالفت کرو اس سے معلوم ہوا کہ داڑھی منڈانا یا کترانا اور مونچھیں بڑھانا مجوس اور مشرکین کا شیوہ ہے اور داڑھی بڑھانا اور مونچھیں کترانا اہل اسلام کا شعار ہے کیونکہ اس سے ظاہری طور پر کفر کے بالمقابل اسلام کا امتیاز قائم ہوتا ہے پھر جو اس امتیاز کو قائم رکھتا ہے وہ اسلام کو قائم رکھنے کی سعی مشکور کرتا ہے اور جو اس امتیاز کو ختم کرنے کی کوشش میں ہے وہ اسلام کو ڈھانے اور کفر کو قائم کرنے کے فعل نامحمود کا مرتکب ہوتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاجْعَلْنَا مِنْھُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْھُمْ

آج ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ کس طرح ہم لوگ اپنی اسلامی شکلوں کا ستیاناس کر کے کفر کی رونق بڑھاتے ہیں اور سنت رسول اور شعار اسلام کے زندہ کرنے والوں کی کتنی ڈھٹائی سے حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔

۵ ببیں کہ از کہ گسستی و باکہ پیوستی

ہماری بدقسمتی سے یہ دن بھی آنے تھے کہ اسلامی شعائر خود اپنے گھر میں اتنے بیگانے ہو گئے ہیں کہ ہم معاذ اللہ داڑھی کو ایک پرائی چیز سمجھنے لگ گئے ہیں ہماری نوجوان نسل نے تو باپ دادوں کی داڑھیاں کسی قدر دیکھ رکھی ہیں اس لئے وہ داڑھی سے اس قدر نہیں بدکتے مگر آگے جوان کی نئی پود پیدا ہو رہی ہے ان کے لئے تو داڑھی والا معاذ اللہ چڑیا گھر کا کوئی جانور ہے یا خدانخواستہ وہ کوئی یہودی ہے جو سیاحت کے لئے ان کے ملک میں آگیا ہے بچے اتنے متعجب ہوتے ہیں کہ حیران ہو ہو کر ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ یہ کیا ہے۔ افسوس

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

ریش بچہ یا چھوٹی داڑھی کا حکم :۔

لب زیریں سے نیچے اور ٹھوڑی سے اوپر بالوں کا ایک چھوٹا سا گچھا ہوتا ہے اسے ریش بچہ یا چھوٹی داڑھی کہتے ہیں۔ چونکہ یہ بھی نچلے جبڑے کے اوپر ہے اس لئے یہ بھی اس لحیہ میں داخل ہے جس کے بڑھانے کا ہمیں حکم

دیا ہے اس لئے اس کا کٹانا بھی بدعت اور ناجائز ہے البتہ باچھوں کے بالکل اوپر جو بال ہوں ان کا کترا دینا جائز ہے۔ (مقتبس از حلیۃ اللحیہ ص۹۲)

خضاب کی بحث :-

خضاب کا لفظی معنیٰ تو رنگین کرنا ہے مگر اس سے مراد داڑھی یا سر کے سفید بالوں کو رنگنا ہے تاکہ بالوں سے بڑھاپے کا اظہار نہ ہو۔ یہ اگر سرخ یا سیاہی مائل سرخ ہو تو یہ جائز ہی نہیں بلکہ کسی حد تک مسنون بھی ہے جیسا کہ بخاری شریف ص۸۷۵ ج ۲ میں ہے کہ

حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت ام سلمہؓ کے پاس گیا تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سے کچھ بال نکال کر مجھے دکھلائے جن کو خضاب کیا ہوا تھا یہ خضاب کس رنگ کا تھا اسی روایت کے دوسرے طریق میں تصریح ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے سرخ بال دکھلائے اسی طرح

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زرد خضاب کئے ہوئے دیکھا (ابن ماجہ ص۲۶۷) امام ترمذی نے حضرت ابورمثہؓ سے روایت کیا ہے کہ میں اپنے ایک لڑکے کے ساتھ حضور علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوا آپؐ نے استفسار فرمایا کہ یہ تیرا لڑکا ہے میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ اور آپ اس کے گواہ رہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تو تو اس کا تاوان بھرے گا اور نہ یہ تیرا تاوان بھرے گا (یعنی ہر کوئی اپنے کئے کا ذمہ دار ہے) ابو رمثہؓ کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بالوں کو سرخ رنگا ہوا دیکھا امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس موضوع پر یہ سب سے صحیح حدیث ہے (شمائل ترمذی ص۳۲) ان تینوں احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بالوں کا سرخی یا زردی سے رنگین ہونا مذکور ہے مگر بالصراحت معلوم نہیں ہوتا کہ سرخی یا زردی کس چیز کی تھی اس لئے اکثر علماء نے کہا ہے کہ یہ زردی یا معمولی سرخی کثرت سے عطر لگانے کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی ورنہ جہاں تک خضاب کرنے کا تعلق ہے آپ کو اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی کیونکہ آپ کی ریش مبارک میں آخر تک زیادہ سے زیادہ کل سترہ بال سفید ہوئے تھے جن کو خضاب کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی چونکہ یہ احادیث خضاب کرنے کے بارے میں صریح نہیں اور جن میں کچھ صراحت ہے وہ سند کے لحاظ سے کمزور ہیں اس لئے اکثر علماء کا یہی خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خضاب کرنا ثابت نہیں یہی حضرات احناف اور خود امام بخاریؒ کا مذہب ہے چنانچہ امام بخاریؒ نے بھی سب سے پہلے حضرت انسؓ

سے جو روایت کی ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خضاب کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی اور حنفیہ میں سے صاحب درّ مختار نے بھی یہی لکھا ہے کہ آپ کا خضاب نہ کرنا زیادہ صحیح ہے تاہم قولی احادیث کے پیشِ نظر حنفیہ نے سرخ خضاب کرنے کو مستحب اور سیاہ خضاب کو مکروہ لکھا ہے حضرات شوافع کے نزدیک سرخ خضاب سنت اور سیاہ بالکل حرام ہے۔ (خصائل بر شمائل ص۳۲)

کیونکہ احادیث میں سیاہ خضاب کی بالصراحت ممانعت موجود ہے جیسے امام مسلم ؒ نے

حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ فتح مکہ کے دن ابوقحافہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا جبکہ اس کا سر درختِ ثغامہ کی طرح سفید تھا آپؐ نے فرمایا کہ اس کے سر کو کسی رنگ سے رنگین کردو لیکن سیاہی سے اجتناب کرنا۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص۳۸۰) ابوداؤد اور نسائی نے

حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آخری زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جو ایسا سیاہ خضاب کریں گے جیسے کبوتروں کے پوٹے ہوتے ہیں وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکیں گے۔ (مشکوٰۃ ص۳۸۲) ان احادیث کی روشنی میں سیاہ خضاب کی ممانعت قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے اسے حرام کہہ لیجئے یا مکروہ تحریمی دونوں

کی گنجائش ہے البتہ جماعت مجاہدین اگر کافروں پر رعب ڈالنے کے لئے بالکل سیاہ خضاب کرلیں تو سب کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے رہی سرخ و زرد خضاب کرنے کی قولی احادیث تو وہ یہ ہیں۔

حضرت ابوذر رضؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہترین چیز جس تم اپنے سفید بالوں کو رنگ سکتے ہو حنا اور کتم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ایک آدمی گزرا جس نے مہندی کا سرخ خضاب کر رکھا تھا آپؐ نے فرمایا کتنا بہترین ہے پھر ایک دوسرا آدمی گزرا جس نے مہندی اور کتم سیاہی مائل خضاب کر رکھا تھا آپؐ نے فرمایا یہ اس سے بہترین ہے پھر ایک اور آدمی گزرا جس نے زرد خضاب کیا ہوا تھا آپؐ نے فرمایا یہ ان تمام سے بہترین ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۶۷) ان تمام احادیث کے پیشِ نظر محتاط ترین مسلک یہی ہو سکتا ہے کہ خضاب نہ کرنا بالکل جائز بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی سنت ہے اور سرخ و زرد خضاب کرلینا مستحب اور قولی طور پر مسنون ہے اور سیاہ خضاب کرنا بالکل حرام یا کم از کم مکروہ تحریمی ہے اس کے برخلاف اگر بعض صحابہ سے سیاہ خضاب کرنا ثابت ہو تو ممانعت کی قولی احادیث کی وجہ سے اس سے سیاہی مائل مراد لیا جائے گا یا ضرورتِ جہاد پر محمول کیا جائے گا واللہ

اعلم بالصواب۔

مونچھوں کا حکم:۔

مونچھیں بڑھانے اور رکھنے کا وہی حکم ہے جو داڑھی منڈانے اور کترانے کا ہے یعنی جس طرح داڑھی منڈانا یا کترانا مکروہ تحریمی ہے اور ایسا کرنے والا شخص فاسق وفاجر ہے اسی طرح مونچھیں رکھنا اور بڑھانا بھی حرام ہے اور ایسا کرنے والا شخص فاسق وفاجر ہے داڑھی بڑھانے کا حکم اور مونچھیں کترانے کا حکم مشترکہ احادیث میں وارد ہے جو پہلے بھی گزر چکی ہیں نیز مشکوٰۃ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ لَمْ یَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهٖ فَلَیْسَ مِنَّا (احمد و نسائی بحوالہ مشکوٰۃ ص۳۸۱) (یعنی جو اپنی مونچھیں نہیں کٹواتا وہ ہم میں سے نہیں) یعنی اس کا تعلق اسلام سے محض جذباتی ہے۔

مونچھوں کی تعریف:۔

مونچھ کو عربی میں شارب کہتے ہیں اور شارب کا معنیٰ ہے پینے والا جب کوئی مونچھوں والا شخص پانی پینے لگتا ہے تو بالائی لب کے اوپر جو جھکے ہوئے بال ہیں وہ

بھی گلاس میں داخل ہو کر پانی پینا شروع کر دیتے ہیں اس لئے ان کو شارب کہا گیا اب ایسے بالوں کا مشروبات میں ڈوبنا یا کم از کم ان کو چھونا جن میں سے گزر کر ناک کی سنک گرتی ہو کتنی مکروہ اور ناپسندیدہ بات ہے اس لئے شریعت نے حکم دے دیا کہ ان بالوں کو کترا دو تاکہ تمہارے مشروبات اس گندگی کی مس سے محفوظ تمہارے پیٹ میں اتریں اگر شریعت نے مونچھیں کٹوانے کا حکم نہ بھی دیا ہوتا تو بھی صفائی پسند طبیعتیں ان بالوں کو کبھی گوارا نہیں کر سکتی تھیں جنہیں مونچھیں کہا جاتا ہے البتہ ان کو استرے سے بالکل مونڈ دینے کی بجائے باریک مشین یا قینچی سے کتر دینا زیادہ بہتر ہے تاکہ ان کا کسی قدر نشان باقی رہ جائے کیونکہ یہ نشانات بھی مرد کی شباہت میں داخل ہیں۔

شہپروں کا حکم :-

مونچھوں کے دونوں سروں پر باچھوں اور داڑھی کے درمیان جو بال ہوتے ہیں انہیں شہپرے یا دنبالہ کہتے ہیں ان کا رکھنا جائز ہے اور حضرت عمرؓ سے عمل طور پر ثابت ہے بلکہ انہیں تو مسنون کہنا چاہیئے کیونکہ مونچھوں سے خارج اور نچلے جبڑے کے اوپر ہونے کی وجہ سے یہ تو داڑھی میں داخل ہیں

اس لئے ان کا رکھنا بھی داڑھی کی طرح مسنون ہونا چاہیئے اگرچہ ان کی ہیئت مونچھوں جیسی ہے مگر داڑھی کے فعل میں داخل ہونے کی وجہ سے ان کے مسنون ہونے میں کوئی شبہ نہیں واللہ اعلم

پانچ خصالِ فطرت :-

اسلام صفائی اور پاکیزگی کا مذہب ہے قرآن پاک میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ کہ اللہ تعالےٰ توبہ کرنے والوں اور حد سے زیادہ صفائی پسند لوگوں کے ساتھ محبت کرتا ہے

صفائی اور پاکیزگی ہی کے پیشِ نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پانچ چیزوں کو انسان کی فطرت کا تقاضا بتلایا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ چیزیں فطرتِ انسانی کا جزء ہیں ختنہ کرنا۔ زیرِ ناف استرہ استعمال کرنا۔ بغلوں کے بال لینا ناخن کاٹنا اور مونچھیں کترانا۔ (موطا مالک ص۱۲)

اب ان میں ہر چیز پر غور کر کے دیکھ لیں اگر فرمانِ رسالت کے مطابق ان پر عمل نہ کیا جائے تو جسمِ انسانی کی گندگی کا جو عالم ہوگا اس کے تصور ہی سے صفائی پسند

انسان کو گھن آتی ہے۔ ختنہ نہ کیا جائے تو آلۂ تناسل کے اوپر لپٹے ہوئے غلاف میں سے پیشاب اور منی کے قطرات پورے طور پر کبھی خارج نہیں ہو سکتے اور نہ کبھی اس خول کے اندر کی صفائی ہو سکتی ہے ایسے میں کتنی مکروہ آلودگی انسان اپنے ساتھ لئے پھرے گا اس کے بیان سے بھی کراہت آتی ہے اور یہ بے صفائی آگے جا کر خارش اور دوسری بیماریوں کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ اسی طرح مرد یا عورت اگر زیر ناف بال درست نہ کرے اپنی بغلوں کے بال نہ لے تو وہ جگہیں تو غلاظت کا ایک جنگل بن جائیں گی۔ جن میں بدبو اور حشرات کا پیدا ہو جانا بھی عین ممکن ہے ایسی حالت میں میاں بیوی کو باہم ملاپ کرتے ہوئے بھی شرم آئے گی اور اگر اسی طرح وہ یہ وظیفہ بھی سر انجام دے گزریں تو آگے جیسی غلیظ الطبع اولاد پیدا ہو گی اس کا اندازہ کرنے کے لئے سکھوں اور چماروں کو دیکھ لینا کافی ہے اگر ناخن نہ کاٹے جائیں تو ان کے اندر جمع ہونے والی میل کچیل غذا میں داخل ہو کر انسانی صحت کا ستیاناس کر سکتی ہے ناخن اور پوروں کے درمیان جراثیم کی افزائش کا ایک فارم کھل جائے گا جس سے بیماریاں پھیل کر دوسرے انسانوں کو بھی متاثر کر سکتی ہیں اور مونچھیں نہ کاٹنے کی وحشت اور درندہ پن کا بیان تو پہلے ہی ہو چکا ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغلوں کے بال لینے مونچھیں کترانے ناخن کٹوانے اور زیرِ ناف بال صاف کرنے کیلئے زیادہ سے زیادہ چالیس دن مقرر فرمائے ہیں۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص۳۸۰) تو گویا اس سے زیادہ دیر کرنا حرام ہے لیکن ہر ہفتے یہ صفائی حاصل کرنا امر مستحب ہے جیسا کہ عالمگیری ج ۴ ص۲۲۸ پر مرقوم ہے۔

باب دوم

اُسوۂِ رسُولؐ

خوراک و پوشاک میں

پوشاک میں اُسوۂ حسنہ:۔

لباس انسان کی ایک اہم ضرورت ہے اس سے وہ اپنے ستر کو چھپاتا اور گرمی سردی سے بچاؤ کرتا ہے یہ انسان کی شخصیت کے اظہار اور زیب و زینت کے مظاہرہ کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے جہاں تک اس کی ضرورت کا تعلق ہے اس کی اہمیت سے انکار نہیں بلکہ خود قرآن پاک میں اس کی افادیت اور اہمیت کی طرف اشارہ ہے یَا بَنِی آدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا۔ (اے اولادِ آدم ہم نے تمہارے لباس کا انتظام کیا جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا اور تمہارے زیب و زینت کا سامان ہے) لیکن جب یہ ضرورت سے گزر کر ایک مستقل مقصد کا درجہ حاصل کر لیتا ہے ستر پوشی اور اظہارِ نعمت کی بجائے نمائش بلکہ باہمی تفاخر کا ذریعہ بن جاتا ہے تو اس کے مذموم ہونے میں بھی کوئی شبہ نہیں رہتا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اہمیت دیئے بغیر بطور ضرورت کے استعمال فرمایا لہٰذا جس وقت جیسا کیسا ملا امتنان و تشکر کے جذبات کے ساتھ پہن لیا بہترین اور قیمتی لباس کی خود کبھی خواہش نہیں فرمائی اور اگر اتفاقاً کہیں سے بطور ہدیہ پہنچ گیا تو ہدیہ دینے والے کی دلداری کے لئے زیب تن فرما لیا پھر کسی ضرورت مند کو خود

بلا کر یا اپنے آپ آجانے پر اتار کے اس کے حوالہ کر دیا البتہ کبھی کبھار جمعہ یا عیدین کے لئے آپؐ نے ایک اچھا جوڑا بھی محفوظ رکھا ہے عام حالات میں تو سرکارِ دوجہاں کا لباس بے حد معمولی قسم کا ہوتا تھا جو کرتہ عمامہ اور تہہ بند یا صرف دو چادروں پر مشتمل ہوا کرتا تھا لیکن کبھی کبھی اظہارِ نعمت کے لئے یا کسی دوسری مصلحت کی وجہ سے آپ نے اچھے سے اچھا بھی پہنا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ستائیس اونٹوں کے بدلے ایک جوڑا خرید کر زیب تن فرمایا لیکن یہ آپؐ کا عام معمول نہ تھا اکثر اوقات آقائے دوجہاں کا لباس معمولی قسم کا ہوتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ حروریہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجے گئے تو آپ نے نہایت قیمتی لباس پہنا ہوا تھا اس پر اس نے بطورِ تعجب پوچھا یہ کیسا لباس ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہتر سے بہتر لباس میں دیکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نہایت صوفی منش آدمی تھے ایک دفعہ بازار سے ایک شامی حُلّہ خرید کر لائے گھر آکر دیکھا تو اس میں سرخ دھاریاں تھیں جسے آپ نے بے ضرورت نفاست سمجھتے ہوئے واپس کر دیا کسی نے یہ واقعہ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کے سامنے ذکر کیا انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جُبّہ مبارک منگوا کر دکھایا جس کی جیبوں آستینوں اور دامن پر دیبا کی سنجاف لگی

ہوتی تھی۔ غالباً یہ سنجاف مقدارِ مشروع یا چار انگل سے کم ہوگی کیونکہ اس سے زیادہ ریشم مردوں کے لئے حرام ہے۔

حکم کے لحاظ سے لباس کی قسمیں:۔

لباس کے بارے میں علماء نے فرمایا ہے کہ آدمی کا کوئی لباس واجب ہوتا ہے کوئی مستحب کوئی حرام کوئی مکروہ اور کوئی مباح (خصائل) آدمی کو لباس کے متعلق بڑے اہتمام کے ساتھ مستحبات سے رغبت اور مکروہات سے اجتناب چاہیئے۔

واجب لباس کی وہ مقدار ہے جس سے ستر چھپ جائے یعنی عورت کا ہاتھوں اور پاؤں کے سوا سارا جسم اور مرد کے لئے ناف سے لے کر گھٹنوں تک۔ (خصائل)

مستحب وہ لباس ہے جس کے پہننے کی شریعت میں ترغیب آئی ہو جیسے عید بقر عید کے لئے حسبِ گنجائش عمدہ سے عمدہ لباس جو کسی کو میسر ہو اور سفید دھلا ہوا لباس جمعہ کے لئے۔ (خصائل)

مکروہ وہ ہے جس کے نہ پہننے کی ترغیب آئی ہو۔ جیسے صاحبِ استطاعت

مالدار کا ہمیشہ پھٹے پرانے کپڑے پہننا۔ (خصائل)۔

حرام۔ وہ ہے جس کے پہننے کی صریح ممانعت آئی ہو جیسے ریشمی لباس مردوں کے لئے یا جنسِ مخالف کا لباس ہر دو کے لئے یا لباسِ شہرت و ریا۔ یا کافروں اور فاسقوں سے مشابہت رکھنے والا لباس بچوں بوڑھوں مردوں اور عورتوں سبھی کے لئے۔ (خصائل بر شمائل ترمذی ص۳۶)

نظافت پسندی :۔

ملنگوں اور غالی صوفیوں کی طرح آپؐ بے ضرورت لیریں لٹکائے پھرنے کو بھی ناپسند فرماتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص خراب اور گھٹیا کپڑے پہنے ہوئے آپ کی خدمت میں آیا آپ نے پوچھا تجھے کچھ قدرت بھی ہے یعنی مالی گنجائش ہے اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا کہ خدا نے نعمت دی ہے تو صورت سے بھی اس کا اظہار ہونا چاہیئے ایک شخص میلے کچیلے کپڑے پہنے آپ کے سامنے آیا فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ کپڑوں کو دھو لیا کرے اسی طرح ایک شخص کے بال بکھرے ہوئے دیکھے فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوتا کہ بالوں کو درست کرے بایں ہمہ شہرت اور ریا کے لباس کو آپ نے پسند نہیں فرمایا۔

لباسِ شہرت :-

بذل المجہود میں

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مرفوع حدیث منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے شہرت کا لباس پہنا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ویسا ہی لباس پہنائیں گے پھر اس میں آگ بھڑک اٹھے گی گویا فخر و شہرت اور ریاکاری کے لئے لباس پہننے والا آگ کا لباس پہنے پھرتا ہے آخرت میں یہ آگ ظاہر ہو جائے گی۔

کپڑے کو پیوند لگانا مسنون ہے :-

حضرت عائشہ الصدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ اگر تو میرے ساتھ ملنا چاہتی ہے (یعنی آخرت میں) تو تجھے اتنی دنیا کافی ہے جتنا سوار کا توشہ ہوتا ہے اور زر دار مالداروں کی ہمنشینی سے بچنا اور کسی کپڑے کو اس وقت تک پرانا نہ سمجھنا جب تک کہ پیوند لگا کر نہ پہن لے۔

حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم

سنتے نہیں کیا تم سنتے نہیں کہ شکستہ حالی ایمان کا جزء ہے شکستہ حالی ایمان کا جزء ہے
مطلب یہ ہے کہ کمترین درجے کا لباس پہننا جبکہ تواضع اور انکساری کی نیت سے
ہو تو یہ ایمان کا ایک تقاضا ہے متواضع اور منکسر المزاج شخص اہلِ ایمان میں سے
ہے لیکن اگر گھٹیا لباس ریاکاری اور اپنی فقیری کے مظاہرے کے لئے پہنے تو اس
کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

صوفیانہ لباس :-

اُمّ المؤمنین حضرت عائشۃ الصدیقہ رض فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم خانۂ مبارک سے باہر نکلے حالانکہ آپ ص نے سیاہ اون کی ایک ایسی چادر
باندھ رکھی تھی جس کے اوپر کجاوے کے نقش بنے ہوئے تھے۔ امام بخاری رح
حضرت مغیرہ بن شعبہ رض سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک سفر میں آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت میں وضو کرایا کہ آپ ص نے اون کا ایک جبّہ پہن رکھا تھا
جس کے بازو اتنے تنگ تھے کہ وہ کلائیوں پر چڑھ نہ سکتے تھے ایک دوسری
روایت سے معلوم ہوا کہ آپ نے ہاتھوں کو آستینوں سے نکال کر وضو فرمایا غالباً
اس حدیث یا ایسی دوسری احادیث کے پیشِ نظر حضرات صوفیاءِ کرام رحمہم اللہ نے صوف

یعنی اون کا لباس پہننا شروع کر دیا جس کی بنا پر انہیں صوفی کہا جانے لگا۔

آپ کا آخری لباس :۔

بلال ابن ابی بُردہؓ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عائشہؓ کے پاس گئے انہوں نے ہمیں ایسی موٹی تہبند دکھائی جو یمن میں بنا کرتی تھی اور ایسی چادر دکھائی جسے لوگ ملبدہ کہا کرتے تھے اور ام المؤمنین نے قسم کھا کر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی چادروں میں وصال فرمایا۔

سادگی کی انتہا :۔

عام طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاف ستھرے مگر سادے لباس میں رہتے تھے جیسا کہ ابھی آپ نے پڑھا کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قمیض کی بجائے چادر ہی اوڑھ رکھی تھی اور اسی حالت میں آپؐ نے وصال فرمایا۔ ابو داؤد میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے وہ اپنے بیٹے سے فرماتے ہیں کہ اے میرے پیارے بیٹے اگر تو ہمیں حضور علیہ السلام کے ساتھ دیکھتا جبکہ ہمیں بارش نے آلیا تھا تو تجھے محسوس ہوتا کہ ہم میں سے بھیڑوں کی بُو آ رہی ہے کیونکہ ہم سب نے

اون کا لباس پہن رکھا تھا جب وہ لباس بارش سے بھیگا تو اس میں سے اُون کی بُو پھیل گئی بھیڑ بکریاں رکھنے کا عرب میں عام رواج تھا ان کی اون ہی سے لباس تیار کئے جاتے تھے۔ روئی نام کی کوئی چیز تو عرب میں اب تک پیدا نہیں ہوتی اس وقت روئی نے کہاں سے میسر آنا تھا اس لئے مقامی طور پر جتنا بھی کپڑا بنتا تھا وہ زیادہ تر اون ہی کا ہوتا تھا۔ البتہ جو باہر سے درآمد ہوتا وہ روئی بلکہ ریشم کا بھی ہوتا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے لئے ریشمی کپڑے کو پسند نہیں فرمایا اس لئے آپ کے خود پہننے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس قسم کا نرم و نازک لباس ایک مجاہد قوم کو زیب نہیں دیتا۔ جو قوم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سربراہی میں دنیا بھر کی تقدیریں پلٹنے کے لئے تیار کی جا رہی تھی۔ کفر اور شیطنت کے تخت الٹنے کے لئے جس قوم کا انتخاب ہو چکا تھا ضروری تھا کہ اسے عیش و تنعم سے دور دور ہی رکھا جاتا۔

ریشمی لباس سے اجتناب :۔

ابوداؤد میں

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے مسجد کے دروازے پر ایک

ریکھ دار ریشمی حُلّہ بکتا ہُوا دیکھا تو انھوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ یہ حُلّہ خرید لیں تو جمعہ کے دن یا وفدوں سے ملاقات کے وقت زیب تن فرمالیا کریں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس قسم کے کپڑے تو وہ لوگ پہنتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں پھر وہی حُلّے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ نے اُن میں سے ایک حضرت عمرؓ کو دے دیا حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ مجھے حُلّہ پہناتے ہیں حالانکہ آپ پہلے فرما چکے ہیں کہ یہ اُن لوگوں کے لئے ہے جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آپ کو پہننے کے لئے نہیں دیا تھا اس پر حضرت عمرؓ نے وہ حُلّہ اپنے ایک ماں شریک مشرک بھائی کو دے دیا جو تا حال مکہ ہی میں رہتا تھا ۔ ابو داؤد ہی میں ہے کہ

حضرت عمرؓ نے عتبہ بن کو لکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم پہننے سے (مردوں) کو منع فرمایا ہے سوائے اس کے کہ دو چار انگل کی گوٹ لگی ہوئی ہو یعنی زیادہ سے زیادہ ریشم جو کسی مرد کے لئے حلال ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ ایک چادر میں تین یا چار انگل کی کنی ڈال دی گئی ہو یا قمیص کے گریبان دامن اور آستینوں پر سنجاف لگا دی گئی ہو جو لازماً چار انگل سے کم ہو ورنہ اس کی بھی

ممانعت ہے۔

کافرانہ لباس پہننے کی ممانعت:۔

حضرت ابوریحانہ رضہ کہتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس چیزوں سے منع فرمایا ہے ان میں سے دو یہ ہیں وَ اَنْ یَجْعَلَ الرَّجُلُ فِیْ اَسْفَلِ ثِیَابِہٖ حَرِیْراً مِثْلَ الْاَعَاجِمِ۔ او یَجْعَلُ عَلٰی مَنْکِبَیْہِ حَرِیْراً مِثْلَ الْاَعَاجِمِ۔ یعنی کوئی شخص عجمیوں کی طرح کپڑوں کے نیچے ریشم پہنے یا اپنے کندھوں پر عجمیوں کی طرح ریشم کی پٹی لگائے اس حدیث شریف میں حرمت کی دو وجوہات ہیں ایک تو ریشمی ہونا دوسرے کفارِ عجم کی مشابہت عجمی لوگ خاص طور پر ایرانی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کے ہاں یہ عام دستور تھا۔ کہ مرد بطورِ تفاخر کندھوں پر ریشم کی پٹیاں لگاتے جیسے آجکل کندھوں پر ریشمی کڑھائی کرا لیتے ہیں یا دوسرے لباس کے نیچے جسم کو گداز رکھنے کے لئے ریشم پہن لیتے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافروں کے اس طور طریق کو چھوڑ دو کوئی مسلمان کافروں کی کسی بات کی حرص نہ کرے۔

عورتوں کے لئے ریشمی لباس کا جواز :۔

عورتوں کی شکل وصورت اور چال ڈھال میں جو نزاکت اور حسن وخوبی اللہ تبارک وتعالےٰ نے ودلیعت فرمائی ہے وہ ان کے خاوندوں کی دلجوئی اور ان کے میلانِ طبع کے لئے ایک ضروری چیز ہے تو جب عورت کی ساخت ہی اس غرض سے ہوئی ہے کہ خاوندوں کی سکونِ طبع کا سامان ہوں تو جو چیزیں اس مقصد کے لئے معاون ہوں گی عورتوں کے لئے ان کا جواز بھی ایک لازمی امر ہے سونے چاندی کے زیور اور ریشمی لباس سے جب عورتیں مزین ہو جائیں تو ان کی دلربائی کی تاثیر میں بھی گوناگوں اضافہ ہو جاتا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لئے ان چیزوں کو حلال کر دیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضؓ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ریشم لے کر اپنے داہنے ہاتھ پر رکھا اور سونے کی ڈلی لے کر اسے بائیں ہاتھ پر رکھا اور فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔

رسالت مآب کا پسندیدہ لباس:-

حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ترین لباس کون سا تھا۔ تو آپ نے فرمایا (حِبَرَۃ) یعنی بُردِ یمانی یمن کی بنی ہوئی مزین چادر جو عموماً روئی کی ہوتی تھی اور اس پر کچھ نقش و نگار بنے ہوئے ہوتے تھے نقش و نگار کے نام سے کسی کا ذہن تصویروں کی طرف نہ چلا جائے کیونکہ تصویروں کو تو آپ نے صریح حرام قرار دیا ہے تصویروں والے گھر میں تو آپ داخل نہیں ہوتے تھے اور فرماتے کہ جس گھر میں تصویر ہو اس میں رحمت کا فرشتہ داخل نہیں ہوتا۔ اور فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے سخت عذاب مصوروں کو ہوگا جو جاندار چیزوں کی تصویریں بناتے ہیں ان ارشادات کی موجودگی میں یہ کیسے ممکن ہے کہ آپؐ خود تصویر والی چادر استعمال کرتے ہوں بس یونہی بے جان چیزوں کی کوئی سینری یا رنگوں کے امتزاج سے کوئی تجریدی قسم کا منظر بنا دیا جاتا ہوگا جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ چادر پر کپڑے کے نقش بنے ہوئے تھے۔

تحبیر کے صحیح معنی تزیین کے ہیں یعنی کسی طرح اس چادر کو مزین کیا اور سجایا جاتا تھا۔ واللہ اعلم۔

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ چادر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سِلے ہوئے لباس ہی کی طرح پسندیدہ تھی کیونکہ اس ستر عورت کے ساتھ ساتھ سادگی اور عاجزی بھی کمال درجے کی ہے ویسے آپ عموماً سِلا ہوا قمیص پہنا کرتے تھے اور کیوں نہ پہنتے جبکہ آپ ایک ایسی امت کے بانی تھے جس کی اگلی نسلوں میں سائنسی ترقی اپنے معراج کو پہنچنے والی تھی اگر آپ نے قمیص استعمال نہ فرمایا ہوتا تو آپ کی امت مشینری کے اس دور میں سخت مشکلات میں مبتلا ہو جاتی کیونکہ بے سِلا کپڑا مشینری کے ماحول میں اکثر حادثات کا سبب بن جاتا ہے ذرا کوئی پلو ادھر ادھر ہوا اور مشین کے پہیے یا پٹے میں اٹکا اور ایک جاں گداز حادثہ پیش آگیا۔

آپ چونکہ ایک منظم اور ترقی پسند معاشرے کی بنیاد رکھ رہے تھے اس لئے آپ نے اپنا لباس بھی محض سادھوؤں اور جوگیوں جیسا نہیں رکھا جو جنگلوں اور پہاڑوں میں تو کام دے سکتا ہے مگر شہر کے فیکٹری ایریا میں نہیں لیکن آپ نے جو سِلا ہوا کپڑا پہنا ہے اس کی وضع قطع نہایت شریفانہ تھی آج کی پتلونوں اور بوشرٹوں کی طرح ایسا چست نہیں تھا . . . .

. . . . بلکہ ایسا کہ اس سے ستر عورت بھی ہوتا تھا شرافت اور متانت بھی برقرار رہتی تھی اور جسم کے لئے بھی آرام دِہ تھا۔

آپ کا قمیص مبارک :-

قمیص کی جو صورت آج کل مروج ہے یعنی کالروں اور کفوں والی کا تو اس زمانہ میں تصور بھی نہ تھا کھلی آستینوں کا ڈھیلا ڈھالا کرتہ ہوتا تھا جسے پہننا بھی آسان اور جسے اتارنا بھی سہل تھا اس کرتے کو عربی میں قمیص کہتے تھے ہمارے زمانہ میں علماء صوفیاء اور دیندار طبقہ میں جو کرتہ متعارف ہے اس کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بالکل قمیصِ نبوی کے ہم شکل ہے کیونکہ کرتہ مبارک کے مختلف اجزا کی مکمل تفصیلات نادر ہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ قمیصِ رسالت سے یہ کسی حد تک مشابہ ہوگا کیونکہ قرن ہا قرن سے اسے علماء و صلحا نے جو اپنا معمول بنا رکھا ہے تو یقیناً اس کی کچھ نہ کچھ ہیئت سنتِ متوارثہ کے طور پر منقول ہے اور اگر نہ بھی ہو تو بھی یہ کیا کم ہے کہ یہ ایک ایسا لباس ہے جو خدا کے ولیوں اور نیک بندوں کے ہاں مقبولیت کا شرف رکھتا ہے اور ہم لوگ اس کے بھی پابند ہیں کہ اپنی وضع قطع اور شکل و شباہت مقربینِ خدا والی بنائیں کیونکہ بحکمِ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ یہ بھی مقبولانِ بارگاہ میں شامل ہونے کی ایک صورت ہے۔ بقول کسے

أُحِبُّ الصَّالِحِينَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ   لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِي صَلَاحًا

میں اگرچہ صالح نہ سہی لیکن صالحین سے محبت تو رکھتا ہوں اسی نسبت سے امید ہے کہ اللہ تعالے مجھے بھی نیکی عطا فرمائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کے متعلق جو تفصیلات مشہور روایات میں ہیں وہ درج ذیل ہیں۔ خصائل بر شمائل ترمذی میں

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہننے کے سب کپڑوں میں سے کرتہ زیادہ پسند تھا۔

ملا علی قاریؒ نے دمیاطی سے نقل کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کا کرتہ سوت سے بنا ہوا تھا جو زیادہ لمبا نہیں تھا اور نہ ہی اس کی آستینیں زیادہ لمبی تھیں جیسا کہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے دامن کی لمبائی نصف پنڈلی تک تھی اور آستینوں کی پہنچوں تک۔ بیجوری کہتے ہیں کہ آپؐ کے پاس ایک ہی کرتہ تھا۔

حضرت عائشہؓ کے بیان کے مطابق تو آپ کا کوئی کپڑا بھی دو عدد نہ تھا اللہ اللہ دنیا سے کم بیوستی کا یہ حال کہ پہننے کو دوسرا کپڑا میسر نہیں اور شانِ مبارک کی رفعت کا یہ عالم کہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ دونوں جہاں آپ کے صدقے میں پیدا ہوئے مگر آپ کے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے تو گویا آپ لباس و خوراک کو

ایک ضرورت سمجھتے تھے ان کو اہمیت دے کر مقصد نہیں بناتے تھے ضرورت جب ایک کرتے سے پوری ہو سکتی ہے تو دوسرا بیکار اور بے مصرف ہے اس لئے آپ نے ایک کرتے یا ایک تہمد کی موجودگی میں دوسرے کا اہتمام نہیں فرمایا اور اپنے اسوۂ حسنہ سے امت کو بتلا دیا کہ دنیا سے نہ تو کلی طور پر اغراض و اغماض مناسب ہے کہ حوائج اصلیہ بھی اٹکی رہیں اور دنیا کی ترقی رک جائے اور نہ ہی سراپا دنیاداری میں محو ہو جانا ایک مسلمان کے شایانِ شان ہے کیونکہ اس سے مقصدِ تخلیق فوت ہوتا ہے دین اور دنیا کو برابر برابر نباہنا امتِ محمدیہ کا کمال ہے ؎

ہر ہوسناکے نہ داند جام و سنداں باختن

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا کرتہ مبارک ٹخنوں سے اونچا ہوتا تھا۔ اس کی روشنی میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نصف پنڈلی تک ہونا چاہیئے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کی آستینیں پہنچوں تک ہوتی تھیں آپ کے کرتے کو بٹن کی جگہ گھنڈی لگی ہوتی تھی جو عموماً کھلی رہتی تھی۔

قرہ ابن ایاس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ کے کرتے کا تکمہ یعنی گھنڈی کھلی ہوئی تھی اس حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ اور

ان کے بیٹے کو کبھی گھنڈی لگائے ہوئے نہیں دیکھا کیونکہ وہ لوگ اتباع رسول میں اپنے گریبان کو کھلا رکھنا مسنون سمجھتے تھے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی محمد رسول اللہ کے عجیب دیوانے تھے اپنے آقا کو جس اختیاری یا غیر اختیاری حال میں دیکھ لیا بس اسی حال کو اپنا قبلۂ مقصود بنا لیا جان سے ہاتھ دھو لینا تو گوارا کر لیا مگر حضور علیہ السلام کی اس حالت کی خلاف ورزی جیتے جی قبول نہ کی ایک آج کے نام نہاد مفکر و محقق ہیں جو حضور علیہ السلام کی ایسی باتوں کو آپ کی طبعی یا رواجی چیزیں قرار دے کر ان کی مسنونیت سے انکار کر رہے ہیں ان بزرگوں کو اگر سنتِ رسول کے اتباع کی توفیق نہیں تو کم از کم اس کی سنت ہونے سے انکار کر کے اپنی عاقبت تو برباد نہ کریں۔

آپ کے مرغوب و نامرغوب رنگ :۔

زرد رنگ آپ کا پسندیدہ رنگ تھا علامہ شبلی نے بحوالہ ابو داؤد لکھا ہے کہ زرد رنگ سے آپ کو اتنی رغبت تھی کہ کبھی کبھی آپ تمام کپڑے حتیٰ کہ عمامہ بھی اسی رنگ میں رنگوا لیتے تھے اس لئے مردوں کے واسطے زرد رنگ کے مسنون ہونے میں کوئی شبہ نہیں لیکن یہ رنگ کسم یا کسمبہ کا نہ ہونا چاہیئے کیونکہ اس کی صریح ممانعت

ہے عام حالات میں آپ سفید لباس زیب تن فرماتے تھے اور سفید رنگ کی آپ نے فضیلت بھی بیان فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ لوگ سفید کپڑے پہنا کرو اس لئے کہ وہ تمہارا بہترین لباس ہے اور اسی رنگ کے کپڑے میں اپنے مردوں کو دفن کیا کرو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تین سفید کپڑوں کا کفن دیا گیا کبھی آپ نے سفید چادریں بھی استعمال فرمائی ہیں۔

حضرت ابو رمثہؓ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہم نے دیکھا کہ آپ نے دو سبز چادریں پہن رکھی ہیں۔

بیانِ جواز کی حد تک آپ نے سیاہ چادر بھی استعمال فرمائی ہے۔

حضرت عائشہ الصدیقہ رضؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک کو سیاہ رنگ دیا تھا اور آپ نے اسے پہن بھی لیا۔

آپ کے ناپسندیدہ رنگ :۔

سرخ لباس آپ کو ناپسند تھا ایک دفعہ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سرخ کپڑے پہن کر آئے تو فرمایا یہ کیا لباس ہے انہوں نے آپ کی ناپسندیدگی محسوس کر کے جاتے ہی اسے آگ میں جلادیا آپ نے سنا تو فرمایا کہ جلانے کی ضرورت نہ تھی کسی عورت کو دے دیئے ہوتے۔ گویا سرخ لباس عورتوں کے لئے بلاکراہت جائز ہے۔

ایک دن ایک شخص سرخ پوشاک پہن کر آیا آپ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

ایک دفعہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سواری کے اونٹوں پر سرخ رنگ کی چادریں ڈال دی تھیں آپ نے فرمایا کہ میں دیکھنا نہیں چاہتا کہ یہ رنگ تم پر چھا جائے فوراً صحابہؓ نہایت تیزی سے دوڑے اور چادریں اتار کر پھینک دیں۔

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں سرخ رنگ بھی زیادہ تر کسم ہی سے تیار کیا جاتا تھا اور کسم کی ممانعت پہلے گزر چکی ہے یا جس جس سرخ کپڑے کو آپ نے ناپسند فرمایا وہ غالباً معصفر ہوگا یعنی کسم سے رنگا ہوا ہوگا ورنہ بعض اوقات تو خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سرخ کپڑا استعمال فرمایا ہے۔

حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ کے پٹے کانوں کی لو تک تھے اور آپ نے سرخ حُلّہ پہن رکھا تھا اس حالت

میں آپ اتنے حسین دکھائی دے رہے تھے کہ آپ سے زیادہ خوبصورت چیز میں نے کبھی نہیں دیکھی اسی طرح

حضرت عامر کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو منیٰ میں خطبہ دیتے ہوئے دیکھا درآں حالیکہ آپ نے سرخ چادر اوڑھ رکھی تھی۔

یہاں بھی یہی کہنا پڑے گا کہ یہ چادر غیر معصفر ہوگی مجموعی طور پر موافق و مخالف روایات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ فی نفسہٖ سرخ رنگ کا مردوں کے لئے جواز حق ہے لیکن خلافِ اولیٰ جیسا کہ حضرت گنگوہیؒ نے فتاویٰ میں بیان فرمایا اسی طرح زعفرانی رنگ مردوں کے لئے آپ نے ممنوع قرار دیا بخاری شریف میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی مرد زعفران سے رنگا ہوا کپڑا پہنے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبا استعمال فرمانا :۔

مسور ابن مخرمؓ کہتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائیں تقسیم فرمائیں لیکن میرے باپ مخرمؓ کو کوئی نہ ملی والد صاحب نے مجھے فرمایا بیٹے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو میں لے گیا درِ رسول پر پہنچے تو فرمایا اندر جا کر

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لائیں نے جاکر عرض کی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ نے ان قباؤں میں سے ایک قبا پہن رکھی تھی آتے ہی آپ نے فرمایا مخرم یہ قبا میں نے تیرے لئے ہی چھپا رکھی تھی ۔

یہ قبا غالباً اس زمانے کا کوٹ یا اچکن جیسا کوئی لباس تھا جو دوسرے کپڑوں کے اوپر پہنا جاتا تھا اس لئے اچکن اور کوٹ کا جواز بلکہ کسی درجے میں مسنونیت بھی ثابت ہوتی ہے لیکن یہ بات بہر حال ملحوظ رہے گی کہ اپنی وضع قطع کے اعتبار سے کوٹ یا دوسرا کوئی کپڑا کافروں کے مخصوص لباس سے مشابہ نہ ہو ورنہ اس کا پہننا مسنون تو کیا جائز بھی نہیں ہو سکتا اچکن تو تقریباً ہندوستانی مسلمانوں کی ایجاد ہے اس میں کافروں کے ساتھ تشبہ بالکل نہیں لیکن ہاف کوٹ سے تو ہمیں انگریزوں ہی نے روشناس کرایا ہے اس لئے اس میں تشبہ ضرور ہے لہٰذا اس سے احتراز لازم ہے مگر اوورکوٹ تو تقریباً تمام اقوام میں مشترک ہے لیکن جس کے پچھلی طرف چاک ہوتا ہے سنا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ اس کو بہت مبغوض جانتے تھے ہو سکتا ہے کہ خاص اس وضع میں تشبہ بالکفار ہو اس لئے چاک کا اوورکوٹ پہننے میں بھی کوئی قباحت نہیں ۔

بوشرٹ کا حکم :-

ہاف کوٹ کی طرح بوشرٹ بھی خالص یورپی اور مغربی ممالک کا لباس ہے یہ لنڈا لباس انہوں نے پتلون کی نمائشی ضرورت کے لئے اختیار کیا ہے اس لئے یقیناً تشبہ بالکفار ہے لہذا اسے ضرور ترک کر دینا چاہیئے ۔

جُبّۂ رسول کے وسیلہ سے شفا طلبی :-

حضرت اسماء بنتِ ابی بکرؓ نے لوگوں کو ایک جُبّہ نکال کر دکھایا اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جُبّہ ہے یہ حضرت عائشہؓ کے پاس تھا جب ان کی وفات ہو گئی تو میں نے اس پر قبضہ کر لیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو اسے پہنا کرتے تھے ہم تو اسے دھو کر اس کا پانی مریضوں کو پلاتے ہیں تاکہ اللہ تعالےٰ اس کی برکت سے شفا عطا فرمائیں ۔

بعض لوگوں کو اس قسم کے توسل سے انکار ہے جسے ان کا ذاتی ذوق ہی قرار دیا جا سکتا ہے جس کے پیچھے کتاب وسنت کی کوئی دلیل نہیں ورنہ یہ حدیث جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ آثار و تبرکاتِ

رسول سے وسیلہ بالکل جائز ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قمیض مبارک مشہور منافق سردار عبداللہ بن اُبی کے بیٹے کو عنایت فرمایا تھا تاکہ وہ اپنے باپ کی میت کے نیچے بچھا دے اس کی یہ بھی ایک توجیہہ ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اس فعل سے اس کے عذاب میں کوئی تخفیف ہوئی یا نہیں لیکن عطاءِ قمیض کا مقصد نظاہر یہی تھا جسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم فرمایا ورنہ آپ اسے انکار کر سکتے تھے کہ بھئی اس کا کوئی فائدہ نہیں بیکار کرتہ ضائع نہ کرو۔

لباس پہننے کی دعاء۔

لباس چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے جس سے ستر بھی ڈھانپا جاتا ہے موسمی حالات سے حفاظت ہوتی ہے اور زیب وزینت کا بھی ذریعہ ہے اس لئے لازم ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالےٰ کسی انسان کو نیا لباس نصیب فرمائیں تو اسے چاہیئے کہ وہ پروردگار کا شکر ادا کرے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو پہلے اس کپڑے کا نام لیتے مثلاً قمیص یا پگڑی پھر آپ یہ دعا پڑھتے

(۱) اَللّٰھُمَّ اَنْتَ کَسَوْتَنِیْہِ اَسْأَلُکَ مِنْ خَیْرِہٖ وَخَیْرِ مَاصُنِعَ لَہٗ وَاَعُوْذُبِکَ

مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَہٗ۔ یعنی اے اللہ تو نے ہی مجھے یہ لباس پہنایا ہے اس لئے میں تجھی سے اس کی اور جس مقصد کے لئے یہ بنایا گیا ہے اُس کی خیر مانگتا ہوں اور تجھی سے پناہ مانگتا ہوں میں اس کی شر سے اور اس مقصد کی شر سے جس کے لئے یہ بنایا گیا ہے۔

حضرت ابونضرہؓ کہتے ہیں کہ اصحابِ رسول میں سے جب کوئی نیا کپڑا پہنتا تو اسے کہا جاتا اللہ تجھے بوسیدہ ہونے تک پہننا نصیب کرے اور اس کے بعد دوسرا عطا فرمائے۔

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کھانا کھا کر یہ دعا مانگی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ ھٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃَ تو اللہ تعالےٰ اس کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادے گا یعنی سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور مجھے یہ عطا فرمایا بغیر میری کسی طاقت و قوت کے۔

اسی طرح آپ نے فرمایا کہ جس نے نیا کپڑا پہنا پھر یہ دعا پڑھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ ھٰذَا الثَّوْبَ وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃَ تو اس کے بھی تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ یعنی سب تعریفیں اس اللہ کیلئے

ہیں جس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا اور جس نے مجھے یہ عطا فرمایا بغیر میری کسی طاقت و قوت کے۔

لباس پہننے والے کے لئے دعا :۔

حضرت امّ خالدؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ پوشاکیں آئیں جن میں سے ایک چھوٹی سی کالے رنگ کی چھینٹ دار اوڑھنی بھی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا کہ اس کا مستحق کون ہے جسے ہم پہنا دیں لوگ چپ رہے پھر آپ نے خود ہی فرمایا کہ امّ خالد کو بلا کر لاؤ مجھے بلایا گیا تو آپ نے وہ مجھے اوڑھا دی اور یہ دعا بھی دی اَبْلِیْ وَاَخْلِقِیْ خدا تجھے ہنڈانا اور پرانا کرنا نصیب کرے یہ دعا آپ نے دو دفعہ دی۔

یہ تقریباً ویسی ہی دعا ہے جیسی ہمارے ہاں ایسے موقع پر دیا کرتے ہیں کہ نیا کپڑا مبارک ہو یا عید مبارک ہو اور کپڑے میں برکت یہی ہے کہ وہ دیر تک رہے اور اس کا مالک دیر تک اسے پہنتا رہے۔

قمیص کا دایاں بازو پہلے پہنا جائے :۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب آپؐ قمیص پہنتے تو داہنی طرف

سے شروع فرماتے۔

تہبند اور پاجامے میں سنتِ نبویؐ:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قمیض کے نیچے تہبند باندھنے کے عادی تھے قمیص کا دامن اور تہبد کا نچلا کنارا تقریباً دونوں نصف پنڈلی تک ہوتے تھے پاجامہ آپ نے کبھی نہیں پہنا البتہ اصحابِ سنن نے یہ روایت ضرور کی ہے کہ آپ نے منیٰ کے بازار سے پاجامہ خریدا تھا لیکن اس کا پہننا ثابت نہیں مگر خریدنے سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے پاجامے کو پسند فرمایا تو گویا تہبد کو تو آپ نے عمل اور قولی دونوں لحاظ سے مسنونیت کا شرف بخشا مگر پاجامے کو صرف آپ کی زبانی پسندیدگی کی فضیلت حاصل ہے اس لئے شلوار یا پاجامہ کو سنّت ہونے کے لحاظ سے تہبد پر کسی طرح بھی ترجیح نہیں دی جاسکتی اگرچہ ان کی اس خوبی سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں سترِ عورت بہ نسبت تہبد کے زیادہ ہے غفلت اور بے خبری کے وقت بھی ستر کھل جانے کا احتمال نہیں شاید اس خوبی کی وجہ سے نگاہِ رسالت نے اس کو پسند فرمایا تہبد کی ترجیح کے لئے یہ حدیث بھی مؤید ہے۔

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ اہلِ کتاب

لنگی نہیں باندھتے پاجامہ پہنتے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا تم لوگ ان کے خلاف کرو پاجامہ بھی پہنو اور لنگی بھی باندھو ظاہر ہے کہ پوری طرح مخالفت تو جبھی ہوگی کہ دھوتی کو معمول بنالیا جائے اور پاجامہ یا تو پہنا ہی نہ جائے یا کبھی کبھار پہن لیا جائے امام بخاریؒ نے

حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تہبند نہ پائے وہ پاجامہ پہن لے۔

اس رویت میں تہمد کو پاجامے پر صریح ترجیح دی گئی ہے کیونکہ پاجامہ تو ایک مجبوری کا لباس ہے کہ لنگی نہ ملی تو وہ پہن لیا اس کے سوا پاجامہ کی فضیلت میں جو روایات منقول ہیں محدثین کو انکی صحت میں کلام ہے اکثر کو انہوں نے ضعیف ہی بتلایا ہے۔

لنگی شریف کا طول وعرض:۔

حضور علیہ السلام کی لنگی چار ہاتھ لبی اور دو ہاتھ چوڑی تھی ہاتھ تقریباً ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے اگر اس زمانہ کے ہاتھوں کو آج کل کے ہاتھوں پر قیاس کیا جائے تو اس طرح لمبائی کل سوا دو گز بنتی ہے اور چوڑائی ایک گز اتنی مختصر لنگی پر آپ نے

غالباً اس لئے کفایت کی ہوگی کہ اس مقدار میں نگیز تو چھپ ہی جاتا ہے مگر تفاخر اور تکبر کی گنجائش نہیں ملتی بلکہ ایک گونہ شانِ مسکنت اور بندگی کا اظہار بھی اس میں موجود ہے۔

لنگی کتنی نیچی باندھنا مسنون ہے؟

پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کا دامن اور لنگی کا نچلا کنارا تقریباً برابر ہوتے تھے تو گویا اُس زمانہ میں دامن نیچا اور دھوتی اونچی ہوتی تھی آج زمانہ کچھ اس طرح بدلا کہ ہر چیز اپنی اصلیت کے الٹ ہوگئی۔ قمیصوں کے دامن تو اتنے اونچے ہوگئے کہ بمشکل شرمگاہیں چھپتی ہیں اور دھوتی اتنی نیچی ہوگئی کہ ٹخنوں سے گزر کر گلی کوچوں میں جھاڑو دینے لگی ٹخنوں سے نیچی دھوتی باندھنے میں جہاں ایک حرام کام کا ارتکاب اور سنتِ نبوی کی خلاف ورزی ہے وہیں ایسا کرنے والا شخص اللہ تبارک و تعالےٰ کی نظروں سے گر جاتا ہے اور ٹخنوں سے جتنی نیچے تک دھوتی ہوگی اتنی جگہ کو جہنم میں جلنا پڑے گا۔

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پنڈلی کی مچھلی کو نیچے سے پکڑ لیا اور فرمایا یہاں تک دھوتی ہونی چاہیئے اگر تیرا دل نہ مانے تو ذرا

اور نیچی کر لیا کرو اور اگر پھر بھی تیرا دل نہ ملے تو ذرا سی اور نیچی کر لیا کرو پھر بھی دل نہ مانے تو ٹخنوں میں دھوتی کا کوئی حق نہیں۔

تو گویا جو شخص ٹخنے ڈھانپ کر دھوتی باندھتا ہے وہ ایک ناحق کام کرتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید سے پوچھا کہ آپ نے دھوتی کے بارے میں کوئی بات رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے انہوں نے کہا ہاں سنا ہے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے مومن کی دھوتی نصف پنڈلی تک ہونی چاہیئے نصف پنڈلی اور ٹخنے کے درمیان بھی کوئی گناہ نہیں اور جو ٹخنوں سے نیچے ہو گی وہ جہنم میں جلے گی۔ آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اپنی دھوتی تکبر سے زمین پر گھسیٹی اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت سے اس متکبر کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سفیان دھوتی نیچے نہ لٹکا کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند نہیں فرماتے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حرمت اور ممانعت کی اصل وجہ اظہارِ بڑائی اور تکبر ہے لہٰذا ضرورتاً یا عذراً اگر کسی کی دھوتی ٹخنوں سے نیچے لٹک جائے تو حرام نہیں ہے جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ نے اس وجہ سے مستثنیٰ فرما دیا تھا کہ پیٹ

بڑا ہونے کی وجہ سے دھوتی اوپر ٹھہرتی نہ تھی از خود کھسک کر نیچے لٹک جاتی تھی۔

لنگی باندھنے کی کیفیت :-

لنگی اس طرح باندھنی چاہیئے کہ پچھلی طرف سے لنگی کا کنارا اونچا ہو اور اگلی طرف سے نیچا جیسے حضرت عکرمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو دیکھا کہ انہوں نے لنگی اس طرح باندھ رکھی تھی کہ اگلی طرف سے لنگی کے پلّے پاؤں کی چھت کو چھو رہے تھے اور پیچھے سے نصف پنڈلی تک اٹھی ہوئی تھی میں نے پوچھا کہ آپ چادر اس طرح کیوں باندھتے ہو فرمانے لگے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے وہ بھی لنگی مبارک اسی طرح باندھتے تھے۔

میرے والد محترم حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب دہر کوٹی رحمۃ اللہ علیہ کا دائمی معمول یہی تھا کہ وہ چادر کو اگلی طرف سے جھکا کر باندھتے تھے حالانکہ پچھلی طرف سے نصف پنڈلی تک ہوتی تھی اس وقت تو ہمیں ان کی یہ ہیئتِ قلندرانہ پسند نہیں آتی تھی مگر اب جبکہ یہ حدیثِ رسول سامنے آئی تو معلوم ہوا کہ یہ تو آں مرحوم کا جذبۂ اتباعِ رسول تھا جسے انہوں نے بہر حال نبھایا کسی کو پسند آیا ہو یا نا پسند اس سے وہ بے نیاز تھے۔

عورت کا دامن کہاں تک ہو۔

ہمارے یہاں تو تہبند کے طور پر شلوار ہی عورتوں کا لباس ہے اور اس سے پہلے لہنگا ہوتا تھا لیکن عرب میں مردوں کی طرح عورتیں بھی دھوتی باندھتی تھیں جیسے آج بھی میانوالی سرگودھا اور جھنگ کے بعض پسماندہ علاقوں میں عورتوں میں دھوتی باندھنے کا رواج ہے عورتوں کی دھوتی ٹخنوں سے نیچے تک ہوتی تھی۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ عورتیں کہاں تک چادر نیچے لٹکا سکتی ہیں آپ نے فرمایا ایک بالشت اس پر میں نے سوال کیا کہ ایسی صورت میں تو ستر کھل جائے گا (یعنی پنڈلیاں ننگی ہو جانے کا اندیشہ ہے) تو آپ نے فرمایا پھر ایک ہاتھ چادر کا دامن نیچے ہو تو کوئی حرج نہیں اس سے زیادہ نہ ہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو چادر گھسیٹنے سے جو منع کیا گیا ہے اس کی منجملہ دوسری وجوہات کے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ چادر کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا عورتوں کے لئے تو ایک ضرورت ہے کہ ان کے ٹخنے بھی ستر میں داخل ہیں مگر مردوں کو کیا ضرورت ہے سوائے تکبر اور غرور کے

عورتوں کے لئے ستر کا حکم چونکہ مردوں کی نسبت زیادہ اور تاکیدی ہے اس لئے شلوار کا لباس جس میں بہتر سترِ عورت ہے عورتوں کے لئے مستحسن ہونے میں کوئی شبہ نہیں یہی وجہ ہے کہ بعد کے ادوار میں تو شلوار عورتوں کے ساتھ خاص ہو کر رہ گئی جہاں تک جواز یا کسی حد تک مسنونیت کا تعلق ہے تو یہ بات مردوں کے لئے بھی ثابت ہے جیسے آپ پہلے پڑھ چکے ہیں اس لئے شلوار مرد اور عورتیں دونوں صنف پہن سکتے ہیں لیکن عرفِ عام میں اگر کوئی وضع قطع یا رنگ روپ کسی ایک صنف کے ساتھ خاص ہو گیا تو تشبّہ سے بچنے کے لئے دوسرے کے واسطے اس کی ممانعت ہو گی جیسے چھینٹ دار شلوار عورتوں کے ساتھ خاص ہو چکی ہے اور سفید مردوں کے ساتھ اب اگر کوئی عورت سفید شلوار یا کوئی مرد چھینٹ دار شلوار پہنے تو تشبّہ کی وجہ سے انہیں لازماً منع کیا جائے گا کیونکہ ایسا تشبّہ بالکل حرام ہے۔

تشبّہ کے متعلق ایک اصولی بحث :۔

کافروں فاسقوں یا عورتوں کی وہ چیزیں جو اپنی اصلیت کے لحاظ سے بالکل جائز تھیں لیکن عرفِ عام میں وہ کسی ایک فریق کے ساتھ خاص ہو گئی ہیں تو اب مسلمان مرد ایسی چیز کا استعمال کرتا ہے تو گویا وہ کافروں فاسقوں یا عورتوں جیسا بننا چاہتا

ہے بس یہی چیز ممنوع ہے مسلمان اپنے طور طریق میں نہ تو کسی کافر کی مشابہت اختیار کر سکتا ہے نہ کسی فاسق و فاجر کی اور نہ ہی کسی عورت کی اسی طرح مسلمان عورت مردوں کی کسی مخصوص چیز کو استعمال کرے تو وہ بھی مردمی کی حرص رکھتی ہے یہ حرص ناجائز ہے قدرت نے ہر نوع کے لئے جو وضع و قطع مقرر کر دی ہے اسی کے اندر رہنا چاہیئے اس سے نکل کر دوسرے دائروں میں اقدام کرنا ناروا جسارت ہے وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ. جس نے اللہ کی حدود کو توڑا اس نے اپنے نفس پر یقیناً ظلم کیا۔ اسی بنا پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورتوں کو ملعون قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں اور ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں۔ (بخاری) اسی طرح

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کا مخصوص لباس پہنے اور اس عورت پر بھی لعنت فرمائی ہے جو مردوں کا مخصوص لباس پہنے۔

ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ

حضرت عائشۃ الصدیقہ رضؓ سے عرض کیا گیا کہ ایک عورت ہے جو مردوں کا جوتا پہنتی ہے حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد نما عورت پر لعنت فرمائی ہے۔

پھر جس طرح مرد عورتوں کی اور عورت مردوں کی مشابہت اختیار نہیں کر سکتا اسی طرح مسلمان کے لئے کافروں یا فاسقوں فاجروں کی مشابہت اختیار کرنا بھی ناجائز ہے کیونکہ اس سے اسلام اور اہلِ اسلام کی انفرادیت ختم ہوتی ہے جس سے مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز ہوتا ہے اور اس سے قومی اور مذہبی عصبیت ختم ہو جاتی ہے جو مذہبی قدروں پر پختگی اور استحکام کے لئے ضروری ہے یہ تو روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جن فریب خوردہ نوجوانوں نے اسلامی تہذیب و تمدن سے روگردانی کرتے ہوئے غیروں کے لباس شکل و صورت اور رہن سہن کو اپنایا وہ اپنی دینی اور مذہبی اقدار کو بھی خیر باد کہہ بیٹھے بلکہ نماز روزہ جیسی اسلام کی بنیادی چیزوں کو بھی وہ فضول اور بے ہودہ رسومات سمجھنے لگ گئے ہیں ان کی ادائیگی کو وہ اپنے ہم نواؤں کی نظروں میں جہالت اور بے عزتی کا موجب خیال کرتے ہیں اسی طرح توحید و رسالت تقدیر و قیامت اور جنت و دوزخ جیسے اساسی عقائد کو وہ توہم اور تنگ نظری سے تعبیر کرتے ہیں یہ زہر

ان کے دماغوں میں کہاں سے اور کس طرح پیدا ہوا صرف اپنے رہن سہن اور طرزِ معاشرت میں مذہبی اور قومی روایات کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ اور دوسری یورپی یا امریکی اقوام کی معاشرت اور بود و باش کو اختیار کر لینے کی وجہ سے ان کی گندی تہذیب کی نفرت دلوں سے اٹھ گئی اور اپنی نہایت پاکیزہ اور ارفع و اعلیٰ تہذیب کی محبت قلوب سے محو ہوگئی ان کی روایات سے نفرت اور اپنی روایات سے محبت ہی دو چیزیں ایسی ہیں جس سے قوموں کے تشخص خودی اور مذہبی اَنا کی تکمیل ہوتی ہے جب یہ دونوں چیزیں رخصت ہو جائیں تو وہ قوم بھی اپنی قابلِ فخر تاریخ کے صفحات سے رخصت ہو جایا کرتی ہے اس کا وجود تو گو کسی درجے میں باقی رہتا ہے مگر غیروں کا غلام اور تابع مہمل بن کر پھر اس قوم کا ذکر کسی اندھے مقتدی کی حیثیت سے تو ہو سکتا ہے مگر امام اور پیشوا کی حیثیت سے نہیں۔ ؎

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا ۔۔۔ منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس حالت میں دیکھا کہ میں نے زعفرانی رنگ کی دو زرد چادریں پہن رکھی تھیں آپ نے فرمایا کہ یہ تو کافروں کے کپڑے ہیں انہیں نہ پہنو) اس رنگ کی جواز کی صورت پر تو پہلے بحث ہو چکی ہے یہاں تو صرف یہی دکھلانا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

محض کفار کی مشابہت کی وجہ سے ان چادروں کے پہننے کی ممانعت فرمادی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان اپنا لباس اور وضع قطع چھوڑ کر کافروں کے رنگ میں رنگے جائیں کیونکہ یہی تو وہ راستہ ہے جس پر چل کر آج مسلمان قوم موت اور کفر کی وادیوں میں پہنچ گئی ہے اور اسے اپنی نجات کا نہ تو کوئی راستہ نظر آتا ہے اور نہ ہی اسے راہِ نجات کا تجسس ہے۔

حضرت مغیرہؓ کی بہن کہتی ہیں کہ تو اس دن چھوٹا سا بچہ تھا جب تیرے سر پر دو بودہاں دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں کٹوا دو کہ یہ تو یہودیوں کی ہیئت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جہاں ادنیٰ سی مشابہت غیر قوم کے ساتھ نظر آتی تھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہیں ٹوک دیتے تھے تاکہ غیروں کی تہذیب کی مکمل نفرت دلوں میں بیٹھ جائے اور اپنی روایات محمد رسول اللہ کے غلاموں کے لئے باعثِ فخر ہوں ان ہدایات و ارشادات کے باوجود بھی چونکہ خطرہ تھا کہ خیر القرون سے بُعد کی وجہ سے دورِ آخر کے خود فراموش اور عاقبت نااندیش امتی تہذیبِ غیر کی چکا چوند سے متاثر ہو کر اپنی تہذیب کو چھوڑنا اور غیروں کی تہذیب کو اختیار کرنا شروع کر دیں گے اس لئے آپ نے یہ فیصلہ کن بات کہی جیسے

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کیا ہے کہ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ

(ابو داؤد. بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳۷۵) جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی (یعنی ان جیسی شکل و صورت بنائی ان کی وضع قطع اختیار کی ان کا رہن سہن اپنایا ان کی معاشرت اور بود و باش قبول کی) تو وہ اسی قوم میں سے شمار ہوگا یعنی پھر وہ مسلمان کہلانے کا تکلف نہ کرے یا اپنی اسلامیت کی خوش فہمی میں نہ رہے اگر دنیا میں اسلامی حکومت موجود ہو یا غیرت مند مسلمان معاشرہ قائم ہو تو وہ اس شخص کے ساتھ انہی لوگوں جیسا سلوک کرے گا جن کافروں یا فاسقوں جیسی شکل اس نے بنا رکھی ہے نہیں تو آخرت میں اس کا حشر ان بے ایمانوں کے ساتھ ہوگا جن کی معاشرت اس نے دنیا میں اختیار کر رکھی تھی۔ خداوند تعالےٰ ہر مسلمان کو حضرت محمد رسول اللہ کے نقش قدم پر چلنے اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے اور شیطان اور اس کے مریدوں کی پیروی سے بچائے کیونکہ وہ جہنم کی راہوں کے داعی ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا

پتلون ایک مکروہ لباس

شلوار یا تہبند کی اصل غرض و غایت ان جگہوں کا چھپانا ہے جن کا اظہار انسان ہی نہیں بلکہ حیوان کے لئے بھی شرمناک ہے جانوروں اور پرندوں کو پروردگار نے اسی لئے دم عطا فرمائی ہے کہ اس کے ذریعہ ان کی شرمگاہیں چھپی رہیں انسان عقل و شعور کا مالک

ہونے کی وجہ سے چونکہ اپنے ستر عورت کا خود انتظام کر سکتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے پیچھے دم نہیں لگائی آج کل ہمارے صاحب بہادروں اور تعلیم یافتہ نوجوانوں نے یورپ کے انسان نما چوپایوں کی تقلید میں لباس زیریں کی اس اہمیت کو فراموش کر دیا ہے اور ان ننگِ انسانیت یہود و نصاریٰ کی دیکھا دیکھی پتلون جیسا شرمناک لباس پہننا شروع کر دیا جس سے نہ تو شرمگاہوں کے نشیب و فراز چھپتے ہیں نہ موسمی اثرات کا صحیح مقابلہ ہوتا ہے اور نہ ہی یہ کوئی آرام دہ لباس ہے۔ بلکہ اس کا پہننے والا اپنے آپ کو ایک قسم کی قید میں محسوس کرتا ہے۔ لیکن برا ہو اس اندھی تقلید کا جس نے مسلم نوجوانوں کو اپنے مذہب و قومیت سے بیگانہ کر کے اس بدترین لباس کا شیدائی بنا دیا جس کو پہن کر انسانی فطرت اپنی بہو بیٹیوں اور ماؤں بہنوں کے سامنے جاتے ہوئے شرم کھاتی ہے خدا ہمارے بھٹکے ہوئے نوجوانوں کو اپنی مذہبی اور قومی خودی سے روشناس کرے تاکہ یہ غیروں کا دم چھلہ بننے کی بجائے اپنی قوم و مذاہب کی سربلندی کا ذریعہ بنیں۔ میں ایسے تعلیمیافتہ نوجوانوں کو مشورہ دوں گا کہ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی کتاب اسرار و رموز اور نظم ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام کا مطالعہ کریں تاکہ وہ اپنے آپ کو دریافت کر سکیں۔ اگر کسی شخص کے لئے پتلون کو یکدم ترک کرنا مشکل ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنی قمیص کے دامن پتلون کے اوپر رکھے تاکہ

کم از کم شرمگاہوں کی ہیئت اور اونچ نیچ تو نظر نہ آئے۔

عمامہ مبارک کی سنت :-

مردوں کے لئے سر پر پگڑی باندھنا بھی سنتِ رسول ہی نہیں بلکہ سنتِ جمیع انبیاء ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمامہ باندھا کرو اس سے حلم میں بڑھ جاؤ گے۔

واقعی عمامہ بند انسان باوقار اور متحمل نظر آتا ہے اور اس ظاہری ہیئت کا دل پر اثر پڑنا بھی ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کسی نے پوچھا کیا عمامہ باندھنا سنت ہے فرمایا کہ ہاں سنت ہے ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ عمامہ باندھا کرو کہ عمامہ اسلام کا نشان ہے اور مسلم و کافر میں فرق یا تمیز کرنے والا ہے

ان روایات کے پیشِ نظر یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ عمامہ اسلام کا ایک تہذیبی شعار شعار ہے اور مستمر سنتِ رسول ہے اس لئے عمامہ باندھنا ایک دینی امر کی ادائیگی ہے جس میں کوتاہی افسوسناک اور جس سے مذاق دین سے مذاق کے مترادف ہے کوئی شخص اس شبہ میں مبتلا نہ ہو کہ جب عمامہ باندھنا سکھوں کے ہاں بھی معمول

ہے تو پھر یہ اسلام کا نشان کیسے رہا اس لئے کہ عمامہ کے ساتھ اس کی بندش کی ہیئت جو ہے شعار کے طور پر اسے بھی ملحوظ رکھا جائے گا سکھ پگڑی ضرور باندھتے ہیں مگر وہ صرف سر پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ کانوں پر باندھ لیتے ہیں اور ان کے ہاں شملے یا طرے کا بھی معمول نہیں اسلامی طرز میں کان بالکل ننگے ہوتے ہیں اور عمامہ کا شملہ پشت پر چھوڑا جاتا ہے اس لئے باہمی مشابہت نہ رہی ■

سُنّت کے متعلق ایک ضروری بحث :۔

آج کل بعض مغرب زدہ مسلم لیڈر لباس کی وضع قطع یا شکل وصورت کی ہیئتِ ماثور کو سنت ماننے سے انکار کرتے ہیں دراصل ان لوگوں نے اسلام کو ترقی یافتہ غیر مسلم اقوام کے لئے قابلِ قبول بنانے کے زعم میں اسلام کی مسلّمہ اقدار کا حلیہ بگاڑ دیا ہے ان کے نزدیک اسلام موم کی ایک ناک ہے جیسے جب چاہا جدھر چاہا ادھر ہی موڑ دیا وہ پھر بھی ناک کی ناک ہی رہے گی اگر وہ لوگ داڑھی سے بدکتے ہیں تو داڑھی کی مسنونیت سے انکار کر دیا اگر وہ لوگ سر منڈانے یا سر پر پٹے رکھنے سے حجاب کھاتے ہیں تو بودے کو جائز کر دیا اگر ان لوگوں کو اسلام کے روایتی

لباس سے گھن آتی ہے تو نہ صرف یہ کہ کوٹ پتلون کو جائز کر دیا بلکہ امام مہدی علیہ السلام تک کو پہنا دیا ہمارے معاصر جناب مودودی صاحب کو یہی بیماری ہے خداوند تعالیٰ انہیں اس سے نجات عطا فرمائے مسلمان عالم اسلام کا شارح تو ہو سکتا ہے مگر شارع یعنی واضع نہیں گویا وہ اسلام کے کسی مجمل مسئلے کو اپنے حسن تحریر سے کھول کر تو بیان کر سکتا ہے مگر اسلامی مسائل میں قطع برید یا وضع و تبدیل کا اسے کوئی حق نہیں یہ حق تو پروردگار عالم نے حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی نہیں دیا قرآن پاک میں ہے اِیتِ بِقُرآنٍ غَیرِ ھٰذَا اَو بَدِّلہُ قُل مَا یَکُونُ لِی اَن اُبَدِّلَہٗ مِن تِلقَاءِ نَفسِی اِن اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوحیٰ اِلَیَّ۔ یعنی لوگ آپ سے کہتے ہیں کہ اس کی بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا کم از کم اس میں ہماری خواہش کے مطابق ذرا تبدیلی کر دو تو ہم مان جائیں گے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ برملا کہہ دیجئے کہ مجھے قطعاً یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اس قرآن میں اپنے طور پر ذرہ برابر بھی تبدیلی کروں میرا کام تو صرف ان احکام کا اتباع ہے جو میری طرف وحی آتی ہے۔

اب داڑھی کسی کو اچھی لگے یا بری بال منڈانا یا پٹے رکھنا پسند ہو یا ناپسند کرتہ پگڑی اور تہبند کسی کو بھاتے ہوں یا نہ لیکن کسی بھی صورت میں ان کے مسنون ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ ایسی (یعنی داڑھی اور لباس جیسی) چیزوں

کو سنت قرار دینا میرے نزدیک سخت قسم کی بدعت اور خطرناک تحریفِ دین ہے (رسائل و مسائل) اب میں ان کی معلومات کے لئے صرف ایک حدیث پیش کرتا ہوں خدا کرے انہیں اس سے سنت کے متعلق اپنے غلط نظریات کو بدلنے اور صحت کی طرف رجوع کرنے کی توفیق نصیب ہو یہ تو آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عمامہ باندھنے کو صریح طور پر سنتِ رسول قرار دیا ہے میں نہیں جانتا اس سے بڑا فتویٰ کس کا ہوگا سوائے ان سے بڑے صحابہؓ کے مگر یہاں میں ایک اور حدیث پیش کرنا چاہتا ہوں جس کی طرف عام طور پر لوگوں کا ذہن نہیں جاتا۔ امام ترمذیؒ نے شمائل میں نقل کیا ہے کہ:۔

حضرت عبید بن خالدؓ کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں جا رہا تھا کہ پیچھے سے کسی کو کہتے سنا کہ لنگی اوپر اٹھاؤ کہ اس سے ظاہری نجاست اور باطنی تکبر سے بچاؤ ہے اور زمین پر گھسٹ کر جلدی پھٹ جانے سے بھی لنگی محفوظ رہتی ہے میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے میں نے عرض کیا حضور یہ ایک معمولی سی چادر ہے اس میں کیا تکبر ہو سکتا ہے اور اس کی اتنی زیادہ حفاظت کی بھی کیا ضرورت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اور کوئی مصلحت تیرے نزدیک نہیں تو بھی کیا کم ہے کہ اس صورت میں

میری پیروی ہو جائے گی راوی کہتے ہیں کہ میں نے آپ کی لنگی مبارک دیکھی تو وہ نصف پنڈلی تک تھی۔

اس حدیث شریف میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف لباس کی وضع قطع کو بلکہ اس کے استعمال کی کیفیت میں بھی اپنے اتباع کو ضروری قرار دیا ہے اگر دھوتی نصف پنڈلی تک باندھنے میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع مطلوب و مستحب ہے تو پھر مودودی حضرات بتائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی داڑھی رکھنا کیوں مسنون نہیں اور ان چیزوں کو سنت سمجھنا کیوں بدعت اور خطرناک تحریف دین ہے اس فرمان رسول کی رو سے جہاں تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دھوتی باندھتے تھے اگر وہیں تک دھوتی باندھنا مسنون ہے تو جو بے نصیب ایسی سنتوں کو بدعت یا تحریف دین قرار دے اسے کیا کہنا چاہیئے ؎

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

عمامہ اور شملہ کی روایات

حضرت جابر رضی کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ مکرمہ

میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

حضرت عمرو بن حریثؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب پگڑی باندھتے تھے تو شملہ دونوں کندھوں کے درمیان ڈال لیتے تھے) ان کے شاگرد حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے قاسم اور سالم کو دیکھا ہے وہ بھی شملہ کندھوں کے درمیان ڈالتے تھے۔ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی آپ نے دائیں کان پر بھی شملہ رکھا ہے جیسے آجکل بھی میانوالی سرگودھا اور کیملپور کے اضلاع میں کان پر چھوٹا سا شملہ رکھ لیا جاتا ہے مگر یہ بائیں کان پہ ہوتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں کان پر رکھتے تھے محققین کی رائے کے مطابق کبھی کبھی آپ نے بغیر شملہ کے بھی پگڑی باندھی ہے تو گویا اس بارہ میں رخصت ہے جہاں مرضی شملہ رکھ لو یا نہ رکھو مگر آپ کا اکثری عمل یہی ہے کہ آپ پشت پر کندھوں کے درمیان شملہ رکھتے تھے۔

عمامہ شریف کی لمبائی :-

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کے بقول عمامہ شریف کی مقدار صحت کے ساتھ کہیں منقول نہیں طبرانی کی ایک روایت میں سات ہاتھ بتلائی ہے ابن حجر رح نے اس حدیث کو بے اصل قرار دیا ہے علامہ جزریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سیرت کی کتابوں میں خاص طور پر تلاش کیا مگر عمامہ کی مقدار مجھے نہیں ملی البتہ امام نوویؒ نے یہ فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کے دو عمامے تھے ایک چھوٹا چھ سات ہاتھ کا دوسرا بڑا بارہ ہاتھ کا یعنی چار یا چھ گز کا تو گویا یہ بھی ایک رخصتی چیز ہوگی کہ حسب ضرورت جتنا چاہے رکھ لے لیکن جو مقدار خواہ ضعیف طور پر منقول ہے سنت سمجھ کر اگر اس کے مطابق رکھے گا تو یقیناً ثواب سے خالی نہیں۔

عمامہ ٹوپی کے اوپر باندھنا مسنون ہے علیحدہ نہیں

عرب کا مشہور پہلوان رکانہ جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھاڑ کر مسلمان ہونے پر مجبور کر دیا تھا وہ روایت کرتا ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق یہ ہے کہ ہم ٹوپیوں کے اوپر عمامہ باندھتے ہیں اور وہ خالی عمامہ ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ ص۳۷۴ تو گویا جس نے عمامہ باندھنا ہو اس کے لئے مسنون یہ ہے کہ نیچے ٹوپی بھی پہنے لیکن جس نے خالی ٹوپی پہننی ہو اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ٹوپی کے اوپر پگڑی بھی باندھے کیونکہ خالی ٹوپی مستقل طور پر مسنون ہے مشرکین سے مشابہت خالی پگڑی باندھنے میں ہے خالی ٹوپی میں نہیں۔ آجکل بعض بے علم لوگ خالی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے یا پڑھانے کو برا جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خلافِ سنت ہے بعض جاہلین تو ٹوپی والے امام کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ کرتے ہیں اور ان کا بس چلے تو ٹوپی پوش امام کو مصلے پر نہ کھڑا ہونے دیں لیکن یہ محض ان کی بے علمی ہے حضور علیہ السلام کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جس نے پگڑی باندھنی ہو وہ مشرکین کی مشابہت سے بچنے کے لئے نیچے ٹوپی بھی پہن لے کیونکہ مشرکین خالی پگڑی باندھتے تھے لیکن اکیلی ٹوپی تو وہ پہنتے ہی نہیں تھے اس لئے اس میں ان کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں۔

خالی ٹوپی پہننے کا ثبوت اور اس کی ہیئت

ابو الشیخ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے پاس تین ٹوپیاں تھیں امام بخاریؒ نے معتمر بن سلیمان سے روایت کی ہے کہ میں نے اپنے باپ سے سنا وہ فرماتے تھے۔ کہ میں نے حضرت انسؓ کو دیکھا ان کے سر پر روئی کی اونچی ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ یہ ٹوپی عربی برنس کا معنیٰ ہے امام جوہریؒ نے فرمایا کہ یہ ایک لمبی ٹوپی ہوتی تھی جسے دورِ اول میں عابد و زاہد لوگ پہنا کرتے تھے۔ تو گویا یہ پہلے زمانے کے صوفیا کا نشان تھا حضرت انسؓ کا اونچی ٹوپی پہننا ان کا ذاتی ذوق معلوم ہوتا ہے ورنہ عام طور پر اصحابِ رسول گول مگر اتنی چھوٹی باڑ کی ٹوپی پہنتے تھے۔ کہ وہ سر کے ساتھ لگی رہتی تھی۔ جیسا کہ امام ترمذیؒ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے ابو کبشہ انماریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ٹوپیاں گول اور سر سے لگی ہوتی تھیں۔

ہمارے زمانے میں ان ٹوپیوں کا صحیح چربہ وہ گول ٹوپیاں ہیں جو حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متوسلین کے ہاں معمول ہیں لمبی اور دو پلی ٹوپی کی ہیئت ہیئت مسنونہ نہیں اور باقی ٹوپیوں کا تو ذکر ہی کیا جو صرف نزاکت بازی اور نمائش کاری کے لئے پہنی جاتی ہیں اگرچہ سر تو اُن سے بھی ڈھنپ جاتا ہے مگر اتباعِ سنت کا ثواب نہیں ملتا۔

پگڑی کی ظاہری افادیت :۔

بڑی پگڑی سر پہ بندھی ہو تو یہ ایک خود کا کام دیتی ہے خدانخواستہ اگر دشمن کوئی لاٹھی یا ڈنڈے کا وار کر دے تو اتنی چوٹ کبھی نہیں آسکتی جتنی بغیر پگڑی کے پھر یہ گرمی سردی سے مکمل بچاؤ کرتی ہے موسمی اثرات کا سب سے زیادہ شعور دماغ کو ہوتا ہے باقی جسم کو دماغ سے ملانے والے پٹھے گردن کے پچھلے حصّہ سے گزرتے ہیں یہی وجہ ہے گرمی سردی کا سب سے زیادہ احساس گردن اور دونوں کندھوں کی درمیانی جگہ کو ہوتا ہے اور پگڑی کا شملہ ان جگہوں کی بخوبی حفاظت کرتا ہے عموماً پگڑی باندھنے والے بزرگ نزلہ زکام میں کم مبتلا ہوتے ہیں ضرورت کے وقت پگڑی تہبند اور چادر کا کام دے جاتی ہے یہ کام نہ ٹوپی دے سکتی ہے نہ ہیٹ سوتے وقت اکٹھی کر کے سر کے نیچے رکھ لیں تو تکیہ بن جاتا ہے گویا آم کے آم اور گٹھلی کے دام۔ ہم خرما و ہم ثواب والی بات ہے۔

ہیٹ کی قباحت :۔

ہیٹ بھی مغربی غیر مسلموں کی ایک مخصوص چیز ہے اس لئے اس کے پہننے

میں ان کے ساتھ مشابہت ہے جس کی حرمت پہلے ذکر ہو چکی ہے علاوہ ازیں پگڑی یا ٹوپی جیسی افادیت اس میں نہیں ہے پھر جب تک سر پر پہنا ہوا ہے ٹھیک ہے لیکن جب آتاریں تو اس کی حفاظت ایک مسئلہ بن جاتی ہے نہ تو اس کو پہن کر لیٹ سکتے ہیں اور نہ آتار کر سر کے نیچے رکھ سکتے ہیں پگڑی اور ٹوپی دونوں اس قباحت سے خالی ہیں۔

عورتوں کے لئے پردہ کا حکم:

مرد کے لئے عورت کے جسم کا ہر حصہ دلکشی کا باعث ہے خصوصاً چہرہ اور سینے کا ابھار تو مرد کے لئے مکمل آزمائش ہے آجکل زیادہ بے حیائی پھیل جانے کی یہی وجہ ہے کہ عورتوں نے نہ صرف یہ کہ پردہ کرنا چھوڑ دیا ہے بلکہ مردوں عورتوں کا کھلے بندوں اختلاط عام ہے سکولوں کالجوں دفتروں بازاروں اور گلی کوچوں میں صنفِ نازک اپنے حسن بے پناہ سے نوخیز لڑکوں اور تجربہ کار مردوں کو مسحور کرتی پھر رہی ہے ہمارے ارباب اقتدار بے حیائی اور فحاشی کے اس چلن کو روکنے کی بجائے اور رواج دیتے ہیں ہمارے سیاسی لیڈر عورتوں کے ووٹ حاصل کرنے کے لئے ان کو مردوں کے ساتھ

مساوات کے سبز باغ دکھا کر ان کی ناموس کو بازاروں میں لا رہے ہیں مرد و زن کے اس بے محابا اختلاط کا بے حیائی اور بدکاری کے سوا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے اسلام نے عورت کو رونقِ محفل نہیں زینتِ خانہ بنایا تھا وہ غیر مردوں کے لئے شجرِ ممنوعہ لیکن اپنے شوہر کے دل و دماغ اور اس کے گھر بار کی ملکہ تھی اسلام نے عورت کو تین مقدس رشتے بخشے تھے وہ اپنے شوہر کی بیوی اپنے بھائیوں کی بہن اور اپنی اولاد کی ماں تھی۔ ان تینوں حیثیتوں میں وہ نہایت محترم اور لائقِ عزت و تکریم تھی لیکن جب سے عورت نے ہوس کار مردوں کے فریب میں آکر صحنِ خانہ سے باہر قدم نکال کر بازاروں اور گلی کوچوں میں اپنے حسن کو رسوا کرنا شروع کیا ہے وہ بے قدر اور بے آبرو ہوگئی ہے وہ بازار کا بکاؤ مال بن گئی ہے جسے جو چاہے زیادہ قیمت دے کر خرید سکتا ہے اور اس کے باغِ حسن کے ثمر و گل توڑ کر اسے تباہ و برباد کر سکتا ہے اے میری ماؤں بہنو اور بیٹیو! خدا کے لئے اپنا مقام پہچانو اور گھروں میں رہ کر اپنی اس ناموس کی حفاظت کرو فرشتے جس کی پاکیزگی کی قسمیں کھاتے تھے حوریں جس کی نظافت پہ رشک کرتی تھیں تم امہات المومنین اور سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی سیرت و کردار کو اپناؤ زمانے کی جبینیں اب بھی تمہاری عظمت کے

سامنے جھک جائیں گی طیب وطاہر اور حسنین تم بھی اپنی کوکھ سے جنم دے سکو گی۔

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

پردہ کی روایات:۔

سیدہ عائشہ الصدیقہؓ نے انصاری عورتوں کا ذکر فرمایا تو ان کی بڑی تعریف کی آپ نے فرمایا کہ جب سورۂ نور کی آیت وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ اتری یعنی اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر ڈال کر رکھو۔ تو انصاری عورتوں نے دوپٹے جو کمر پہ باندھ رکھے تھے انہیں کھولنے کی بجائے جلدی میں پھاڑ ڈالا اور فوراً انہیں اس طرح اوڑھا کہ ان کے سر اور گریبان اندر ڈھنپ گئے۔

زمانہ جاہلیت میں عورتیں دوپٹے سروں پر ڈال کے ان کے دونوں پلّو سمیٹ کر کمر پہ باندھ لیتی تھیں گریبان ویسے ہی کھلے ہوتے تھے سینے پر دوپٹہ کا بل نہ آنے کی وجہ سے وہ اور بھی عریاں ہو جاتا تھا۔ اس آیتِ قرآنی نے آکر عورتوں کو پابند کیا کہ وہ دوپٹے کو سر پہ ڈال کر سینے کے اوپر سے اوڑھیں تاکہ ان کے گریبان اور سینے کے ابھار چھپ جائیں اور کسی شخص کے لئے فتنہ کا

سبب نہ تھیں حضرات صحابیاتؓ نے اس کی تعمیل میں اتنی جلدی کی کہ دوپٹوں کے اوپر جو پیٹی باندھ رکھی تھی جلدی کی وجہ سے اسے پھاڑ کر فی الفور دوپٹے کھولے اوڑھنی کی صورت میں سر کے اوپر ڈالے اور کھیس کی طرح بکل مار کر سینوں کو ڈھانپ لیا حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ جب یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ والی آیت اتری یعنی اپنی چادروں کو سروں کے اوپر سے لٹکا لیں مطلب یہ ہے کہ اپنی چادروں کا گھونگھٹ نکال لیں تاکہ ان کا چہرہ کوئی نہ دیکھ سکے تو انصار کی عورتیں اس طرح باہر نکلتی تھیں جیسے ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہوں یعنی تمام عورتیں گھونگھٹ سے اپنے چہرے چھپا کر نکلا کرتی تھیں ایک تو ان کی چال ہی بڑی باوقار ہوتی تھی دوسرے چہروں پر گھونگھٹ تو ایسے لگتا تھا۔ جیسے ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہوں پردہ کے متعلق یہ آیت بالکل صریح ہے اُن کج طبع لوگوں کے لئے جو ہیر پھیر سے پردہ کا انکار کرنا چاہتے ہیں اس آیت نے کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ برقع کا ثبوت نہیں مگر ہمیں بھی اس پر کوئی اصرار نہیں اصل مقصد ثابت ہے کہ خواہ گھونگھٹ سے ہو یا کسی اور طریق سے عورت کو چہرہ کا پردہ کرنا ضروری ہے بعض لوگ غلط فہمی سے یہ کہتے ہیں کہ ہاتھ اور چہرہ پردہ سے مستثنٰی ہیں مگر ان کا

یہ کہنا اس لئے صحیح نہیں کہ چہرہ کے متعلق تو پردہ کا حکم اسی آیت میں موجود ہے پھر کیسے
کہہ سکتے ہیں کہ چہرہ کا پردہ نہیں ہاں یہ صحیح ہے کہ چہرہ کا پردہ اپنے محرموں سے
نہیں ہے لیکن نامحرموں سے اگر چہرہ کا پردہ نہیں تو اور کس چیز کا پردہ ہے
چہرہ ہی تو نسوانی حسن کا نمائندہ ہوتا ہے اگر یہ کھلا ہوا ہو تو پردہ سے جن فتنوں
کا سدِ باب مقصود ہے وہ لازماً پیدا ہو کر رہیں گے اور ممکن نہیں کہ مرد اس سے
متاثر ہوئے بغیر رہ سکیں رہا برقعہ تو چونکہ چادریں سروں پر از خود ٹھہر نہیں سکتیں
اور گھونگھٹ کا ہر وقت ہاتھ سے سنبھالنا بھی مشکل ہے اس لئے اس کے
متبادل برقع بنا لیا گیا ہے جو اپنے آپ جسم پر ٹھہرا رہتا ہے اور اس میں پردہ
پوشی بھی زیادہ ہے جسم کا کوئی حصہ بھی ظاہر ہو کر مردوں کو دعوتِ نظارہ نہیں
دیتا اس لئے اس کے مستحسن ہونے میں کوئی شبہ نہیں جیسے دھوتی کی بہ نسبت
شلوار میں ستر پوشی زیادہ ہونے کی وجہ سے آج مردوں اور عورتوں سبھی کے لئے
شلوار کو اپنا لیا گیا ہے اور یہ اپنانا ستر کے لحاظ سے بالکل مستحسن امر ہے اگرچہ اس
میں مسنونیت کا ثواب نسبتاً کم ہو گا مگر مقصودِ سنت بہتر اور اعلیٰ طریق پر حاصل
ہو رہا ہے یہی حال برقع کا ہے اگر کوئی آج بھی اسی قدیم طریق پر گھونگھٹ نکال
کر پردہ کرنا چاہتا ہے تو چشم ما روشن دلِ ما شاد، اس کے لئے بالکل گنجائش ہے

لیکن گھونگھٹ کو سنبھالنے کے لئے جو ہاتھ باہر رہیں گے یا سینے کے جو نشانات نظر آتے رہیں گے مردوں کی حریص نگاہوں کو للچانے کے لئے وہی کافی ہوں گے اور بار بار سنبھالنے کا تکلف مفت میں رہے گا۔

عورتوں کے لئے باریک لباس کی کراہت ۔

حضرت عائشہ الصدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ اسماء بنت ابی بکر یعنی آپ کی بہن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں جب کہ اس نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھتے ہی چہرہ مبارک دوسری طرف پھیر لیا اور فرمایا اے اسماء عورت جب بالغ ہو جائے تو لائق نہیں ہے کہ ہاتھوں اور چہرہ کے سوا اس کے جسم کا کوئی حصہ (محرموں کو بھی) نظر آئے میں نے محرم کا لفظ اس لئے بڑھا دیا ہے کہ حضرت اسماء رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رشتہ دار اور بہنوئی سمجھتے ہوئے بلا توقف چلی آئی ہوں گی۔ اور موٹا لباس پہننا ضروری خیال نہیں کیا ہوگا ورنہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ غیر محرموں کے سامنے بھی اسی باریک لباس میں چلی جاتی ہوں گی۔

حضرت دحیہ کلبیؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مصر کے

بنے ہوئے باریک کپڑے آئے آپ نے ان میں سے ایک مجھے بھی دے دیا فرمایا کہ اس کے دو ٹکڑے کر لینا ایک کی تو قمیص بنا لینا اور دوسرا اپنی بیوی کو دے دینا کہ وہ اس کی اوڑھنی بنا لے جب میں جانے لگا تو فرمایا اپنی بیوی سے کہنا کہ اس کے نیچے کوئی موٹا کپڑا جوڑ لے تاکہ سر کے بال اس میں سے ظاہر نہ ہوں اس حکم نبوی کی اہمیت وہ آوارہ عورتیں کیا سمجھ سکتی ہیں جنہوں نے دوپٹہ ہی سر سے اتار کر گلے میں ڈال لیا بلکہ بال بھی کترا کر مردوں جیسے پٹے بنا لیے۔

حضرت علقمہ رض کی والدہ کہتی ہیں کہ حفصہ بنت عبدالرحمٰن ایسی حالت میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رض کے پاس گئیں جب کہ ان کے سر پر انتہائی باریک دوپٹہ تھا حضرت عائشہ رض نے دیکھتے ہی وہ دوپٹہ پھاڑ دیا اور اپنے پاس سے ایک موٹا دوپٹہ ان کو اوڑھا دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض عورتیں برائے نام لباس پہنتی ہیں حقیقت میں تو وہ ننگی ہوتی ہیں ایسی عورتیں نہ تو جنت میں جا سکیں گی اور نہ ہی جنت کی خوشبو سونگھ پائیں گی۔ (بحوالہ بہشتی زیور حصہ ہفتم ص ۳۳)

اس روایت میں ان عورتوں کا بیان ہے جو انتہائی باریک غیر ساتر لباس پہنتی ہیں تاکہ وہ اپنے حسن اور زیبائش کا مظاہرہ کر سکیں انہیں اس وعید شدید

سے ڈرنا چاہئیے کہ ان کا جنت میں جانا تو درکنار جنت کی خوشبو بھی ان پر حرام ہے عورت کا یہ باریک لباس پہننا اس وقت ممنوع یا مذموم ہے جبکہ ایسا لباس پہن کر دوسروں کے ہاں جانا ہو اور اگر اپنے گھر میں جہاں خاوند کے سوا اور کوئی اسے دیکھنے والا نہیں باریک لباس پہن لے تو کوئی ممانعت نہیں۔

اندھوں سے بھی پردہ ضروری ہے

بے پردگی کی صورت میں جس طرح مرد کے جنسی جذبات کے مشتعل ہونے کا خطرہ ہوتا ہے اسی طرح عورتیں اگر مردوں کو آزادانہ تاکیں جھانکیں تو عورتوں کے بھی فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لئے قرآن پاک نے مردوں اور عورتوں دونوں کو اپنی نگاہوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور فرمایا کہ دلوں کی پاکیزگی معصیت سے بچاؤ کے لئے اپنی نگاہوں کو نیچی رکھو ارشاد باری ہے

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ۔

یعنی اے نبی کریم صلی اللہ علیک وسلم آپ مومن مردوں اور مومن عورتوں سے کہہ

دیکھئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو جھکا کے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کا سامان ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد کا واقعہ ہے۔

حضرت اُمِّ سلمہؓ کہتی ہیں کہ میں اور حضرت میمونہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں کہ آپ نے نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم آگئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے پردہ کرلو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ اندھا نہیں ہے۔ جو ہمیں نہ دیکھ سکتا ہے نہ ہی پہچان سکتا ہے)

مطلب یہ ہے کہ یہ تو ہمیں دیکھ بھی نہیں سکتا پھر ہمیں پردہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ اندھا ہے تو کیا تم بھی اندھی ہو۔ تمہیں بھی نظر نہیں آتا۔

حاصل یہ کہ فتنے کا اندیشہ دونوں جانب سے ہوتا ہے یہ نہیں کہ مرد تو عورتوں کو نہ دیکھیں اور عورتیں مردوں کو بے تکلف تاڑتی پھریں ہماری عورتوں میں یہ جہالت عام ہے کہ وہ پردے کے پیچھے کھڑی ہو کر گلی اور بازاروں کا سب نظارہ دیکھتی ہیں خصوصاً جب کسی مرد کی گلی میں آواز آئی تو فوراً پردے کے ساتھ آلگیں اور غیر مرد کو دیکھنا شروع کر دیا کوئی تماشا کرنے والا آگیا تو اس سے پردے

کے تکلف کی بھی ضرورت نہیں خداوند تعالیٰ ایسی عورتوں کو سمجھ دے کہ وہ بھی اپنی حدود پہچانیں امرِ الٰہی نے جس طرح مردوں کو نظریں نیچی رکھنے اور عورتوں کی طرف نہ دیکھنے کا پابند کیا ہے اسی طرح عورتوں کو بھی غیر مردوں کی طرف دیکھنے کی ہرگز اجازت نہیں دی اب یہاں دیکھئے کہ ایک طرف امہات المومنین ہیں اور دوسری طرف ایک نابینا امتی جو ایک لحاظ سے ان کا بیٹا ہے شخصیات کے تقویٰ و طہارت اور مقام و مرتبہ کو ملحوظ رکھا جائے تو ہرگز کسی قسم کی بے اعتدالی کا اندیشہ نہیں لیکن قانون بہر حال قانون ہے آپ نے قانون کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ازواجِ مطہرات کو بھی پردہ میں چلی جانے کا حکم فرما دیا۔

ہجڑوں اور اوباش عورتوں سے بھی پردہ ہے:

ہجڑوں اور اوباش عورتوں سے براہِ راست پردہ کی ضرورت نہیں لیکن یہ لوگ چونکہ غیر مردوں کے سامنے جا کر عورتوں کے حسن و جمال اور ان کی خوبی و کمال کو بیان کر کے ان کی نیتوں کو خراب کرنے کا سبب بن سکتے ہیں اسی طرح بدکردار عورتوں سے آزادانہ میل ملاپ سے چونکہ شریف عورتوں کے بھی متاثر ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لئے اسلام کی پاکباز شریعت نے ان کو گھروں میں آنے کی

اجازت نہیں دی۔

ام المومنین حضرت عائشہ الصدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ ایک ہیجڑا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہ اقدس میں آیا کرتا تھا۔ عام لوگ اسے نفسانی خواہشات سے پاک سمجھتے تھے ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو وہ بھی ازواج مطہرات کے پاس مانگنے کے لئے آیا ہوا تھا۔ اور طائف کی کسی حسین وجمیل عورت کا حلیہ اس شاعرانہ انداز میں بیان کر رہا تھا۔ کہ وہ جب آتی ہے تو پیٹ کی چار سلوٹوں کے ساتھ آتی ہے اور جب جاتی ہے تو آٹھ سلوٹوں کے ساتھ (کیونکہ پچھلی طرف سے دیکھیں تو دونوں پہلوؤں پر سلوٹوں کے چار چار سرے نظر آئیں گے) آپ نے فرمایا میرا تو خیال تھا۔ کہ یہ ایسی باتیں نہیں جانتا ہوگا آج کے بعد یہ گھروں میں ہرگز نہ آنے پائے اس واقعہ کے بعد لوگوں نے اسے گھروں میں آنے سے روک دیا۔

غض بصر کے متعلق جو آیت پیچھے بیان ہوئی ہے اسی میں آگے چل کر اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں اَوْ نِسَآئِہِنَّ یعنی عورتوں کے مظاہر زینت جس میں زیورات اور خود عورتوں کے چہرے بھی داخل ہیں صرف اپنی عورتوں کے سامنے کھولے جا سکتے ہیں غیر عورتوں کے سامنے ان کے کھولنے کی اجازت نہیں کیونکہ غیر

عورتوں سے بھی یہ خدشہ ہے کہ وہ اپنے مردوں کے سامنے جا کر بیان کریں گی تو شیطان کو شرارت کا موقع ملے گا۔

انگوٹھی کی سنت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرکاری ضرورت کے لئے انگوٹھی بنوائی تھی مختلف ممالک کے بادشاہوں کو جب دعوتِ اسلام دینے کے لئے آپ نے خطوط تحریر کروائے تو لوگوں نے کہا کہ بادشاہوں کی عادت ہے جب تک خطوط پر لکھنے والے کی مہر نہ ہو تو اسے قبول نہیں کرتے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس کے نگینے میں ختم نبوت کی مہر تھی جس کی تحریر تین سطروں میں تھی پہلی میں اسم مبارک محمد دوسری میں رسول اور تیسری میں لفظِ اللہ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ سطریں نیچے سے اوپر کو تھیں سب سے اوپر لفظ اللہ اس کے نیچے رسول اور اس کے نیچے اسم مبارک صحیحین میں روایت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی بنوائی تھی اور اسے داہنے ہاتھ میں پہنا تھا۔ پھر جب مردوں

کے لئے سونا پہننے کی حرمت نازل ہو گئی) تو آپ نے اسے اتار پھینکا اور فرمایا کہ کوئی دوسرا شخص میرا یہ نقش یعنی (محمد رسول اللہ) استعمال نہ کرے تاکہ خلط نہ ہو اور مہر لگانے کا مقصد فوت نہ ہو جائے۔

انگشتری رسول کی برکت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی ہر وقت نہیں پہنتے تھے۔ بلکہ بسا اوقات آپ کی یہ انگوٹھی حضرت معیقیب انصاری کے پاس رہتی تھی جب مہر لگانے کی ضرورت ہوتی تو وہ حاضر کر دیتے بعد میں پھر ان کے پاس محفوظ کر دی جاتی اسی وجہ سے حضرت معیقیبؓ کو محافظ انگوٹھی بھی کہا جاتا تھا یہ انگوٹھی ایک قسم کا نقش سلیمانی تھی جو بڑی برکتوں اور رحمتوں کو اپنے حلقے میں لئے ہوئے تھی تو دا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے بعد جس جس کے پاس یہ رہی اس کا دور آفات وحوادث سے بالکل محفوظ رہا لیکن جب یہ حرز امانی گم ہو گئی تو مصائب و آفات نے مسلمانوں کو آ گھیرا غالباً ۶ھ میں یہ انگوٹھی طیار کرائی گئی اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک چار سال یہ آپ کے قبضہ میں رہی آپ کے بعد خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس ان کے زمانۂ

خلافت تک رہی ان کے بعد خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے پاس ان کی شہادت تک رہی ان کے بعد خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کے پاس تقریباً چھ سال رہی اور آپ کی خلافت کے وہی چھ سال امن دامان سے گزرے ازاں بعد ایک دن بیر اریس نامی ایک کنویں کے پاس کھڑے ہوئے حضرت معیقیب خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان غنیؓ کو پکڑا رہے تھے کہ یہ ہاتھ سے گر کر کنویں کے اندر جا پڑی حضرت عثمان غنیؓ اس تبرکِ رسول کے کھوئے جانے سے بہت فکر مند ہوئے تین دن تک کنویں کا پانی نکلوایا اور ہر ممکن طریق سے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی مگر چونکہ تقدیر کا پانسہ پلٹ چکا تھا۔ اس لئے یہ کوشش کامیاب نہ ہوسکی بس اس کی گم شدگی کے فوراً بعد حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ہر طرف سے فتنوں نے ایسا سر اٹھایا جس کا سدِباب ممکن نہ ہوسکا اور یہی شورش بالآخر خلیفہ برحق و دامادِ رسول حضرت عثمان ذی النورین کی شہادت پر منتج ہوئی۔

فانا للہ وانا الیہ راجعون

انگوٹھی کس ہاتھ اور کس انگلی میں پہنی جائے:۔

اس بارے میں روایات مختلف ہیں زیادہ تر روایات داہنے ہاتھ کے متعلق ہیں۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

حمادؓ بن سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی رافع کو دیکھا جو اپنے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا آپ ایسا کیوں کرتے ہو انہوں نے کہا میں نے عبداللہ بن جعفر کو دیکھا ہے انہوں نے بھی انگوٹھی داہنے ہاتھ میں پہن رکھی تھی۔ اور فرمایا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی داہنے ہاتھ میں پہنا کرتے تھے اس کے برخلاف۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

علماء نے ان مختلف روایات کو کئی طریق سے جمع کیا ہے جن میں سے ایک صورت یہ ہے کہ عام طور پر تو آپ دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ اور یہی آپ کی سنت ہے لیکن کبھی کبھار بیانِ جواز کے لئے آپ نے بائیں ہاتھ میں بھی پہنی ہے جیسے اس روایت سے معلوم ہوا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی دو انگوٹھیاں ہوں ایک سادی اور ایک مہر والی۔ مہر والی تو آپ بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ کیونکہ دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں میں سے انگوٹھی نکال کر مہر لگانا آسان ہے لیکن سادے رنگ والی آپ دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ کیونکہ وہ تو محض زینت کے لئے تھی۔ اور زینت

کا دائیں ہاتھ ہی زیادہ مستحق ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پہ دائیں ہاتھ کی چھنگلیا (چیچی) میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔ جیسے بخاری شریف میں حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور فرمایا کہ ہم نے ایک انگوٹھی بنوائی ہے اور اس میں ایک نقش بھی کندہ کرایا ہے۔ یعنی محمد رسول اللہ پس تم میں سے ہرگز کسی کو اجازت نہیں کہ وہ میرا نقش اپنی انگوٹھی میں کھدوائے۔

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چھنگلیا مبارک میں انگوٹھی کی وہ چمک نظر آرہی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے منع فرمایا ہے کہ میں درمیانی اور شہادت والی انگلی میں انگوٹھی پہنوں۔

اسی طرح انگوٹھے کے متعلق بھی کسی روایت سے ثابت نہیں کہ آپ نے اس میں انگوٹھی پہنی ہو یا اس کی اجازت دی ہو۔ مگر یہ تفصیل مردوں کے لئے ہے عورتوں کے لئے تمام انگلیوں میں انگوٹھی پہننا یکساں جائز ہے۔ لطیفے کی بات یہ ہے کہ انگوٹھے میں انگشتری پہننا بالکل ثابت نہیں لیکن اس کے باوجود ہمارے محاورے میں اس کو انگوٹھی کہتے ہیں یعنی انگوٹھے والی۔

برعکس نہند نام زنگی کافور۔ والی بات ہے۔

آپ انگشتری کا نگینہ اندر کی طرف رکھتے تھے۔کیونکہ اس طرح مہر مبارک ٹوٹنے اور بے ادبی سے محفوظ رہتی تھی اور زینت آپ کا مقصود نہ تھی۔ مگر عورتوں کا چونکہ مقصد ہی زینت ہے اس لئے انہیں نگینہ باہر کی طرف رکھنا بہتر ہے آپ نقش محمدؐ کے ادب کی وجہ سے استنجا جاتے وقت انگوٹھی اتار دیا کرتے تھے اسی سے علماء نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر انگوٹھی میں کوئی مقدس نام کندہ ہو تو بیت الخلاء جاتے وقت اسے اتار دینا چاہیئے اسی طرح چلے جانا سخت مکروہ ہے۔

جائز اور ناجائز انگوٹھی:

سونا چونکہ بہت مہنگی دھات ہے اور مہنگی زینت عورتوں کی ضرورت تو ہو سکتی ہے مردوں کی نہیں اس لئے کہ مردوں کو اس زیب و زینت اور عیش و تنعم کے چکر سے نکل کر میدان کارزار میں قدم رکھنا ہیں اگر مرد بھی سونے کی چمک دمک پر مفتوں رہیں تو جفاکوشی کا کام عورتیں تو کرنے سے رہیں اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے سونا مردوں کے لئے مطلقاً حرام کر دیا حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشمی شامی کپڑے جن میں نارنجی کی تصویریں بنی ہوتی

تھیں اسی طرح زعفرانی رنگ کے کپڑے اور سونے کی انگوٹھی پہننے اور رکوع میں قرآن پڑھنے سے منع فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھوں میں سونے کی انگوٹھی دیکھی اور اسے کھینچ کر اتار پھینکا پھر فرمایا تم میں سے کوئی شخص جہنم کے انگاروں کو پکڑ کر اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے؟ تو گویا مرد کے لئے سونا بھی جہنم کا انگارہ ہے جو اپنے ہاتھ کو جہنم میں جلانا چاہتا ہے وہ تو سونا پہن لے لیکن جسے جہنم کی آگ کا خوف ہے اور وہ ہاتھوں کو جہنم کی آگ سے بچانا چاہتا ہے اسے چاہیئے اپنے ہاتھوں کو سونے سے بچائے اسی واقعہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے کے بعد کسی نے انگوٹھی والے شخص کو کہا کہ اپنی انگوٹھی اٹھا لے اور اسے بیچ کر قیمت استعمال کر لینا تو اس شخص نے کمال غیرت سے جواب دیا جس انگوٹھی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دیا میں اسے کیسے اٹھالوں یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبۂ اتباع رسول کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔ ورنہ اس قسم کی سینکڑوں مثالوں سے صحابہ کرام کا روزنامچہ مزین ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کی نقل کی توفیق بخشے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اپنے پیارے کو آگ کا کپڑا پہنائے اسے چاہیئے کہ سونے کا کڑا پہنا دے اور جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اپنے پیارے کو آگ کا طوق پہنائے تو وہ سونے کا طوق پہنا دے اور جسے پسند ہو کہ اپنے پیارے کو آگ کا کنگن پہنائے تو وہ سونے کا کنگن پہنا دے لیکن تم لوگ چاندی پر اکتفا کر کے اسی سے دل خوش کر لیا کرو۔

یعنی جو شخص لا محالہ انگوٹھی پہننا ہی چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ چاندی کی پہن لے لیکن یہ بھی ایک مثقال (یعنی ساڑھے چار ماشہ) سے کم وزن کی ہونا چاہیئے جیسے آئندہ حدیث میں ہے۔

حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کو جس نے پیتل کی انگوٹھی پہن رکھی تھی فرمایا کہ مجھے تجھ سے بتوں کی بو آ رہی ہے اس کے بعد آپ نے اس کی انگوٹھی اتار کر پھینک دی وہ شخص اس کے بعد پھر آیا تو اس نے لوہے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی۔ آپ نے دیکھی تو فرمایا کہ میں تیرے اوپر دوزخیوں کا زیور دیکھ رہا ہوں پھر اس کی انگوٹھی اتار کر پھینکی اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میں پھر کس چیز کی انگوٹھی پہنوں آپ نے فرمایا چاندی کی لیکن وہ بھی پوری مثقال کی نہ ہو۔

اس حدیث کے پیشِ نظر علماء نے کہا ہے کہ پیتل لوہے اور ایسی ہی دوسری دھاتوں کی انگوٹھی تشبّہ بالکفار کی وجہ سے ناجائز ہے کیونکہ عام طور پیان کے بت اور کھانے پینے کے برتن بھی زیادہ تر ایسی دھاتوں کے ہوتے ہیں برتنوں میں اسی تشبّہ سے بچنے کے لئے مسلمانوں نے قلعی گری کو رواج دیا جبکہ ہندو قلعی بالکل نہیں کراتے اسی طرح سکھ بھی۔ اور یہی تقریباً ان کا شعار ہو گیا ہے۔ اب ایک طرف جہنّم کی ان سزاؤں پر غور کرو دوسری طرف ہمارے جاہلین کی بے پروائی کا اندازہ کرو جو اتنی سخت وعید کے باوجود بھی بے دھڑک سونے کی انگوٹھیاں پہنتے اور اپنے بچوں کو پہناتے ہیں ان احادیث کی رُو سے وہ انگوٹھیاں یا سونے کے زیور نہیں جسے پہنتے اور پہناتے ہیں بلکہ وہ نارِ جہنّم کے انگارے ہیں گویا انھوں نے اپنے آپ جہنّم کی آگ انگلیوں میں لپیٹ رکھی ہے یا از خود جہنّم کے طوق و سلاسل اپنے بچّوں کو پہنا رہے ہیں اس زیور کے حقیقتاً آگ ہونے میں کوئی شبہ نہیں یہ الگ بات ہے کہ اس جہان میں اس کا احساس نہیں ہوتا مگر پروردگارِ عالم کے نمائندے انبیاء کے سردار حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرما دیا وہ حرف بحرف صحیح ہو کر رہے گا اعاذ اللہ منھا دنیا میں کوئی شقی القلب اپنے بچّے کے ہاتھ چولہے میں جلتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تو

آخرت کے بارے میں یہ بے حسی اور غفلت کیوں ہے درا صل آجکل کے رسمی مسلمانوں کا آخرت کی حقیقتوں پر یقین از حد کمزور ہو گیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں پتہ نہیں آخرت واقعی کوئی جہاں ہے بھی یا نہیں جب آئے گا دیکھا جائے گا۔ بقولِ کسے ؎

اب تو آرام سے گزرتی ہے ٭ عاقبت کی خبر خدا جانے

یہ عاقبت ہی کی تو خبر ہے جسے زبان وحی ترجمان نے بیان فرمایا ہے اور مسلمان وہ ہے جسے آپ کی باتوں پر اتنا محکم یقین ہو کہ پہاڑ ٹل جائیں تو ٹل جائیں مگر آپ کی بات ہرگز نہ ٹل سکے۔ اگر کسی کو یہ یقین حاصل نہیں یا وہ ایسا یقین کرنا ہی نہیں چاہتا تو پھر اس کے لئے مسلمان کہلانے کا تکلف محض بے جا ہے۔

انگوٹھی کا حکم:

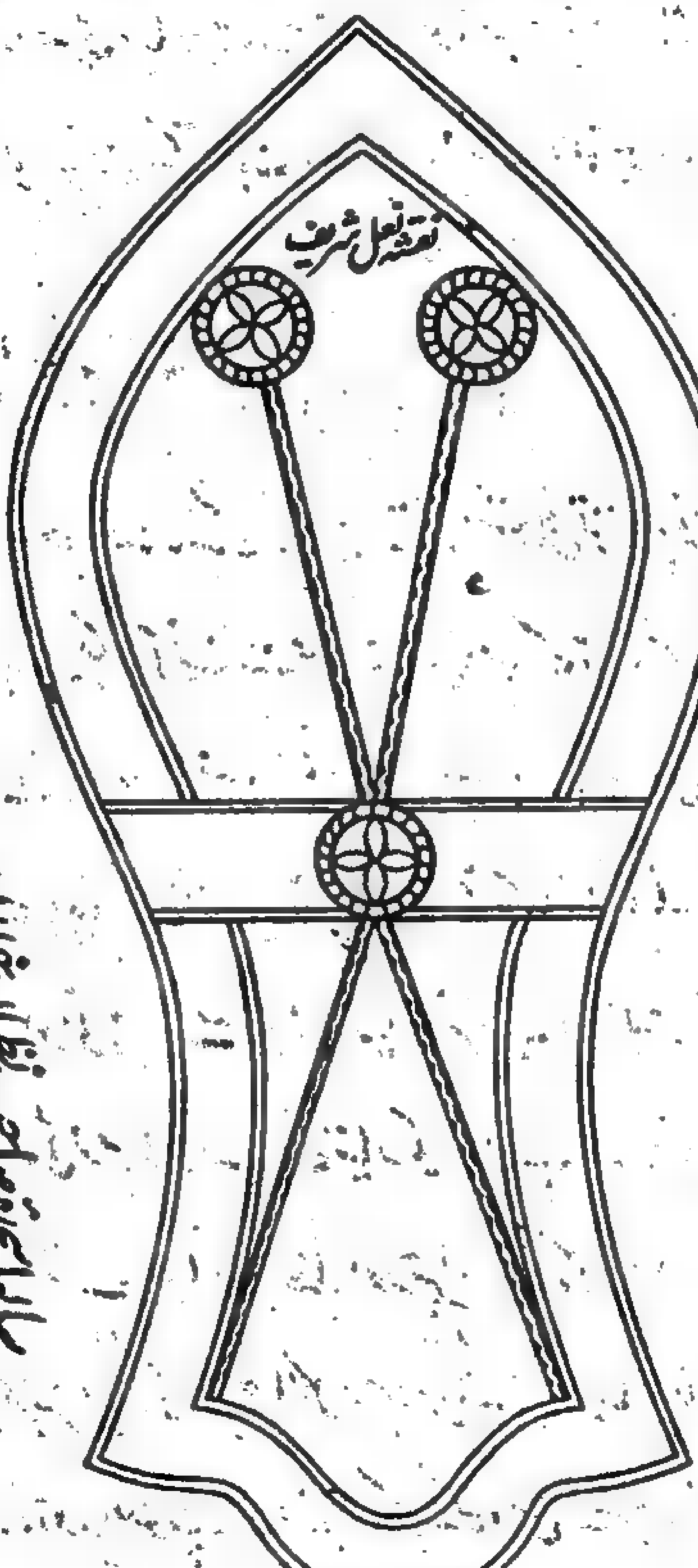
علامہ شامیؒ کے قول کے موافق بادشاہ قاضی اور دیگر وہ لوگ جن کو مہر لگانے کی ضرورت پڑتی ہے ان کے لئے تو مہر دار انگوٹھی مسنون ہے ان کے علاوہ عام لوگوں کے لئے جائز تو ہے لیکن خلافِ اولیٰ ہے اس لئے ترک کرنا بہتر ہے ابوداؤد وغیرہ میں غیر سلطان کے لئے انگوٹھی پہننے کی ممانعت بھی آئی ہے مگر چونکہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اکثر صحابہ کا پہننا ثابت ہے اور حضور کی اجازت بھی دوسری احادیث سے معلوم ہوتی ہے اس لئے اس ممانعت سے خلافِ اولیٰ ہی مراد ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

نعلین مبارک :-

پاؤں کی حفاظت کے لئے جوتے کا استعمال تو تمام قوموں میں قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک عرب میں اس شکل و ہیئت کے جوتے نہیں پہنتے تھے جیسے ہمارے ہاں محض چمڑے کے تلوے پر دو یا چار تسمے لگا دیئے جاتے تھے کہا جا سکتا ہے کہ اُس زمانے کا جوتا آجکل کی ہوائی چپل سے بہت زیادہ قریب تھا البتہ یہ نسبتاً آرام دہ ہے کیونکہ یہ انتہائی نرم پلاسٹک سے تیار کی جاتی ہے اور وہ سخت اور موٹے موٹے چمڑے سے بنایا جاتا تھا۔ اور چمڑا رنگنے کا معیار بھی اُس وقت اتنا اعلیٰ نہ تھا کہ چمڑا ربڑ کی طرح بالکل نرم ہو جائے بلکہ بسا اوقات بغیر رنگائی کے صرف نمک اور دھوپ سے خشک کر کے اس سے جوتے بنا لئے جاتے حالانکہ بال اسی طرح اوپر کھڑے ہوتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً دونوں ہی

هٰذَا مِثَالُ نِعَالِهٖ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ



قسم کے جوتے استعمال فرماتے ہیں۔

آپ کے نعلین یعنی جوتا مبارک کی بناوٹ

حضرت قتادہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا کیسا تھا۔ انہوں نے فرمایا ہر جوتے میں دو دو تسمے لگے ہوئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتا میں دو دو تسمے تھے اور ہر ہر دوہرا تھا۔

عیسیٰ بن طہمانؒ کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت انسؓ نے دو جوتے نکال کر دکھائے جن پر بال نہیں تھے بعد میں ثابت نے مجھے بتلایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے تھے۔

بالوں کا خاص طور پر اس لئے تذکرہ کیا ہے کہ اس وقت بالعموم بالوں سمیت چمڑا سکھا کر جوتے بنا لئے جاتے تھے۔ اور یہ جوتے چونکہ باقاعدہ دھوڑی کے بنے ہوئے تھے۔ اس لئے دیکھنے والوں کے لئے قابل تعجب تھے۔

عبید بن جریجؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ میں ہمیشہ آپ کو سبتی جوتے پہنے ہوئے دیکھتا ہوں اس کی کیا وجہ ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے وہ بھی اسی طرح بغیر بالوں کے صاف شدہ چمڑے کے جوتے پہنتے تھے۔ اور اسی میں وضو فرماتے تھے اس لئے مجھے ایسے جوتے پہننا پسند ہے۔

جوتے میں وضو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تلوے اور تسمے ہی تو ہوتے تھے جن کے خراب ہونے کا کوئی اندیشہ نہ تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بسا اوقات بیان جواز کے لئے جوتے پہنے پہنائے اوپر پانی ڈال کر دھو لئے جیسے آجکل ہوائی چپلوں میں یہ سہولت ہے کہ اتارنے کی ضرورت نہیں اور گیلے ہونے سے ان کا کچھ بگڑتا نہیں۔

بمقامے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود

سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

ترجمہ: جس جگہ آپ کے قدموں کے نشانات ہوں صاحب نظر لوگ سالہا سال تک وہاں سجدہ ریزی کرتے رہیں گے۔

جوتا پہننے کی کیفیت

جوتا پہننا چونکہ فضیلت کی چیز ہے اور دایاں پاؤں فضیلت کا زیادہ مستحق

ہے اس لئے آپ نے فرمایا پہلے دائیں پاؤں میں جوتا پہنو پھر بائیں میں اور جوتا اتارنا چونکہ ایک قسم کا شرف سے خالی ہوتا ہے اس لئے فرمایا پہلے بائیں پاؤں سے جوتا اتار پھر دائیں سے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی جوتا پہنے تو پہلے دائیں میں پہنے پھر بائیں میں اور اتارے تو پہلے بائیں سے اتارے پھر دائیں سے۔

ایک پاؤں میں جوتا پہن کر اور دوسرے سے ننگے چلنا چونکہ بہت معیوب سا معلوم ہوتا ہے اور انسان کے گھٹیا پن پر دلالت کرتا ہے اس لئے آپ نے اس سے منع فرما دیا۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص ایک جوتے میں نہ چلے یا تو دونوں پہنے یا دونوں اتار دے۔

یعنی ایک پاؤں میں کسی زخم کی وجہ سے جوتا نہ پہنا جا سکتا ہو یا ایک جوتا ٹوٹ جانے کی وجہ سے ایک ہی رہ گیا ہو۔ یا ایک گم ہو گیا ہو تو بہر صورت دوسرا بھی نہیں پہننا چاہیئے بلکہ اس سے تو بہتر ہے کہ ننگا چلے تاکہ دیکھنے والوں کے لئے مذاق نہ بنے۔

خانۂ اطہر

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ مسکن مبارک کے متعلق اپنے طور پر کچھ لکھنے کی بجائے وہ مضمون بعینہٖ نقل کر دوں جو علامہ شبلیؒ نے سیرت النبی میں اس مقام پر لکھا ہے کیونکہ وہ بہت جچا تلا اور اپنے موضوع پر کافی وافی ہے۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کم سن تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا اپنے دادا اور چچا کے گھر میں پرورش پائی اور یہیں سن رشد کو پہنچے پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے شادی کی یہ تحقیق طور پر نہیں معلوم کہ اس کے بعد آپ نے اپنے موروثی مکان میں اقامت فرمائی یا حضرت خدیجہؓ ہی کے گھر رہے لیکن آپ کے حصہ کا ایک پدری مکان مکہ میں موجود تھا۔ جس پر عقیلؓ نے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد اور حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ قبضہ کر لیا تھا چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ مکہ تشریف لائے تو لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ علیک وسلم آپ کہاں قیام فرمائیں گے کیا اپنے دولت خانہ پر ٹھہریں گے آپ نے فرمایا عقیل نے ہمارے لئے کہاں چھوڑا ہے۔ مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد چھ مہینے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر قیام فرما رہے اس اثنا میں آپ تنہا تھے۔ اہل وعیال مکہ ہی میں تھے۔ جب آپ نے مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی تو اسی کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے حجرے طیار فرمائے اور اس وقت آپ نے آدمی بھیج کر مکہ سے اہل وعیال کو بلوایا اور انہی حجروں میں اتارا آخری ایام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں اور الگ حجروں میں رہتی تھیں جن میں نہ صحن تھے نہ دالان تھے نہ ضرورت کے الگ الگ کمرے تھے۔ ہر حجرہ کی وسعت عموماً چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی۔ دیواریں مٹی کی تھیں جو اس قدر کمزور تھیں کہ ان میں شگاف پڑ گیا تھا۔ اس کے اندر سے دھوپ آتی تھی چھت کھجور کی شاخوں اور پتوں سے بنائی گئی تھی۔ بارش سے بچنے کے لئے بال کے کمبل لپیٹ دیئے جاتے تھے۔ بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو ہاتھ سے چھو سکتا تھا۔ گھر کے دروازہ پر پردہ ایک پٹ کا کواڑ ہوتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باری باری ایک ایک شب ایک ایک حجرہ میں بسر فرماتے تھے۔ دن کو عموماً اصحاب کی مجلس میں تشریف رکھتے جو گویا ان حجروں کا صحن یا گھر کی مردانہ نشست گاہ تھی۔ ان حجروں کے علاوہ ایک بالاخانہ بھی تھا۔ جس کو احادیث میں مشربہ کہا گیا ہے ۹ھ میں جب آپ نے ایلا کیا تھا اور تیز گھوڑے پر سے گر کے چوٹ کھائی

تھی۔ تو ایک مہینہ اسی پر اقامت فرمائی اس بالاخانہ پر سامانِ آرائش کیا تھا ایک چٹائی کا بستر چمڑے کا ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ اور اِدھر اُدھر چند کھالیں لٹکی ہوئی تھیں کاشانۂ نبوت گو انوارِ الٰہیہ کا مظہر تھا۔ تاہم اس میں رات کو چراغ تک نہیں ہوتا تھا۔ گھر کی دنیاوی اور ظاہری آرائش بھی پسندِ خاطر نہ تھی۔ ایک بار حضرت عائشہؓ نے دیواروں پر دھاری دار رنگین کپڑے منڈھ دیئے تو آپ سخت ناراض ہوئے ہم کو اینٹ اور پتھر کو لباس پہنانے کے لئے لباس نہیں دیا گیا۔ یہ حجرہ ہائے مبارک آپ کی وفات کے بعد ازواجِ مطہرات کے قبضہ میں رہے ان میں سے جب کسی کا انتقال ہو جاتا تو وہ حجرہ ان کے اعزہ کی ملکیت میں چلا جاتا جن سے حضرت معاویہؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں اکثر حجروں کو خرید لیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد تک یہ تمام حجرے اپنے حال پر قائم رہے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بعض حجرے توڑ کر مسجد نبوی میں داخل کر لئے گئے تاہم ولید بن عبدالملک کے زمانہ تک بہت سے حجرے باقی تھے ۸۸ھ میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ مدینہ کے والی تھے۔ تمام حجرے بجز حجرۂ عائشہؓ کے کہ وہ مدفنِ نبوی ہے توڑ کر مسجد نبوی میں ملا دیئے گئے جس دن یہ حجرے ٹوٹے ہیں تمام مدینہ میں کہرام مچا ہوا تھا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک

اور یادگار مٹ گئی۔"

حضور علیہ السلام کا بستر

ہم نیند کے ماتوں اور غفلت کے ماروں کے لئے تو بستر جتنا نرم اور گداز ہو اتنا ہی پسندیدہ ہے کیونکہ ہمارا مقصد تو گہری نیند اور بے کھٹک آرام ہے خواہ عمرِ عزیز کی کتنی ہی پونجی نیند کی صورت میں برباد ہوتی رہے۔ لیکن حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ساری دنیا کو غفلت کی نیند سے بیدار کرنے اور حق سے گریزاں بندوں کو اپنے آقائے ذوالجلال کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے کرنے کے لئے آئے تھے ایسے آرام دہ قیمتی بستر نرم و گرم گدے اور گدگے تکئے بھلا کیونکر بھا سکتے تھے انہوں نے تو ساری رات یا رات کا بیشتر حصہ پروردگار عالم کے سامنے سجدہ ریزی کرتے اور آہ و زاری میں گزارنا تھا۔ وہ قالینوں اور ریشمی گدوں کے کیسے روادار ہو سکتے تھے۔ آپ کا بسترِ نبوت کھجور کی چھال بھرے ہوئے چمڑے کا یا سادہ ٹاٹ کا ہوتا تھا۔ جس پہ نیند تو دیر سے آئے لیکن جاگنے میں سہولت ہو جیسے۔

حضرت عائشہ الصدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کے سونے اور آرام فرمانے کا بستر چمڑہ کا ہوتا تھا۔ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی۔ اور

حضرت حفصہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ کے گھر حضور کا بستر کیسا تھا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا جسے ہم دوہرا کر کے حضور علیہ السلام کے نیچے بچھا دیتے تھے۔ اور آپ اس پر سو جاتے تھے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جب بھی نرم بستر بنانے کی درخواست کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ کہ مجھے دنیاوی راحت و آرام سے کیا کام میری مثال تو اس راہ گیر جیسی ہے۔ جو چلتے چلتے راستہ میں ذرا آرام لینے کے لئے کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ گیا ہو اور تھوڑی دیر بیٹھ کر پھر آگے چل دے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ ایک انصاری عورت آئیں انہوں نے حضور علیہ السلام کا بستر دیکھا کہ پہننے کی عبا نیچے بچھا رکھی ہے اس نے واپس جا کر ایک بستر طیار کیا جس کے اندر اون کی بھرتی کی اور حضور علیہ السلام کے واسطے میرے پاس بھیج دیا حضور تشریف لائے تو اسے رکھا ہوا دیکھا دریافت

فرمایا کہ یہ کیا ہے میں نے عرض کر دیا کہ فلاں انصاری عورت آئی تھیں انہوں نے آپ کا بستر دیکھ کر یہ بنوا بھیجا ہے حضور نے ارشاد فرمایا کہ اسے واپس کر دو۔ مجھے وہ اچھا لگتا تھا۔ اس لئے واپسی کو دل نہیں چاہتا تھا۔ مگر حضور علیہ السلام نے با صرار فرمایا کہ اللہ کی قسم اگر میں چاہوں تو حق تعالیٰ میرے لئے سونے اور چاندی کے پہاڑ مسخر کر دیں (یعنی میرے ساتھ ساتھ چلیں) حضور علیہ السلام کے اس ارشاد پر میں نے وہ واپس کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حضور ایک بورئیے پر آرام فرما رہے تھے۔ جس کے نشانات حضور کے بدن اطہر پر ظاہر ہو رہے تھے میں یہ دیکھ کر رونے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے کیوں رو رہے ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ قیصر وکسریٰ تو ریشم اور مخمل کے گدوں پر سوئیں اور آپ اس بورئیے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رونے کی بات نہیں ان کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت۔

حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں کہ ایک روز مجھے خیال ہوا کہ جو ٹاٹ دوہرا کر کے آپ کے نیچے بچھایا جاتا ہے اسے چوہرا کر دوں تو ذرا اور نرم ہو جائے گا میں نے

چوہرا کر کے بچھا دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کو دریافت فرمایا کہ رات میرے نیچے کیا چیز بچھائی تھی۔ میں نے عرض کیا وہی روزمرہ کا بستر تھا صرف اسے دوہرے کی بجائے چوہرا کر دیا تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اسے پہلے کی طرح دوہرا ہی رہنے دو۔ رات اس کی نرمی میری تہجد کے لئے رکاوٹ بن گئی (یعنی بستر کی نرمائی کی وجہ سے تہجد کے لئے آنکھ نہیں کھلی یا کھلی تو بھی مگر بہت دیر سے) اللہ اللہ یہ اس شخص کی حالت ہے جس کی نیند بھی عبادت اور جس کے خواب بھی وحی الہی کا درجہ رکھتے تھے۔ مگر ہم گنہ گار امتی جن کی عبادتیں بھی معصیت اور بے ادبی سے کم نہیں اور جن کے خواب اضغاث احلام سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے اپنے لئے راحت و آرام اور عیش و تنعم کے اسباب ڈھونڈتے میں محو رہیں خداوند تعالیٰ ہمیں بھی آپ کے اتباع کی توفیق بخشے۔

آج ہم میں سے معمولی لوگوں کے گھروں میں چار افراد ہوں تو دس بستر ضرور ہوتے ہیں ہر ایک کے لئے علیحدہ بستر اور پھر مہمان کے لئے اور کچھ ہمسایوں پر اپنی بڑائی کا رعب جھاڑنے کے لئے کہ یہ لوگ کتنے خوش نصیب ہیں جنہوں نے بستروں کی پیٹی بھر رکھی ہے مگر اب ذرا فرمان رسول بھی سنئے۔

ابوداؤد میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بستروں کا ذکر کیا تو فرمایا۔ ایک بستر مرد کا ایک عورت کا ایک مہمان کا اور چوتھا شیطان کا۔

یعنی افرادِ خانہ اور مہمان کی ضرورت سے زائد جو بستر ہیں وہ چونکہ اپنی بڑائی اور دولت مندی کا مظاہرہ کرنے کے لئے شیطان ہی کے اشارہ سے بنائے گئے ہیں اس لئے وہ شیطان کے ہیں۔

باب سوم

اسوۂ رسولؐ

خورد و نوش میں

خوراک میں اسوۂ رسول ؐ:-

خوراک جسم انسانی کی تقویت اور بقاءِ حیات کے لئے بہت ضروری چیز ہے اس لئے قرآن پاک میں ہر طرح کی حلال چیزیں کھانے کی عام اجازت دے دی گئی ہے۔

كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا اللهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْن

یعنی جو بھی پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں عنایت کی ہیں انہیں بے جھجک کھاؤ لیکن شرط یہ ہے کہ کھا پی کے ڈکار نہ لگو بلکہ رازقِ حقیقی کا شکر ادا کرو اگر صرف اسی کے عبادت گزار بننا چاہتے ہو۔

گویا کھانے پینے کے بعد اگر تمہیں خدا کا شکر ادا کرنے کی توفیق ہو جائے تو یہ کھانا بھی تمہارا عبادت میں شمار ہو گا لیکن جب اس میں کام و دہن اور نفس و بطن کی بے لگام خواہشیں داخل ہو جائیں تو دسترخوان کی رنگارنگی اور انواع و اقسام کے بیش بہا کھانے عبادت اور حدِ جواز سے گزر کر اسراف اور معصیت بھی بن جاتے ہیں اس لئے فرمایا کہ

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْن۔

کہ کھاؤ پیو تو سہی لیکن اسراف اور فضول خرچی نہ کرو کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ فضول
خرچوں کو پسند نہیں کرتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوراک تو محض اس لئے تھی کہ
قدرت نے پیٹ کا جو طبعی ضابطہ بنا رکھا ہے وہ پورا ہوتا رہے اور اس کی وجہ سے
عبادت کے لئے پشت سیدھی کرنے میں مدد ملے وہاں لذت کام و دہن کا تو
سوال ہی نہ تھا لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاک کا تاج اگرچہ آپ کے سر پر مزین تھا
تاہم اختیاری طور پر آپ نے فقر و فاقہ کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ جس کی بنا پر مہینوں آپ
کے گھر میں چولہا نہیں جلتا تھا ساری کائنات جس کے اعزاز میں پیدا کی گئی اس کو
زندگی بھر کبھی جو کی روٹیوں سے بھی مسلسل دو دن پیٹ بھرنا نصیب نہ ہوا بلکہ وہ تو
بھوک کی شدت سے مجبور ہو کر اپنے پیٹ پر پتھر باندھے پھرتا تھا۔ بارہا ایسا ہوتا
کہ آپ چاشت کے وقت گھر آ کر پوچھتے کچھ کھانے کو ہے اگر جواب ملتا کچھ نہیں
تو فرماتے چلو پھر آج ہمارا روزہ سہی کھانے پینے کی اس قدر تنگی کے باوجود خورد و
نوش میں آپ کے جو مرغوبات و معمولات تھے۔ علامہ شبلی کے الفاظ میں یہ ہیں۔

سیرت النبی سے اقتباس :-

"اگرچہ ایثار و قناعت کی وجہ سے لذیذ اور پر تکلف کھانے کبھی نصیب نہ ہوتے

یہاں تک کہ جیسا صحیح بخاری کتاب الاطعمہ میں ہے تمام عمر آپ نے چپاتی کی صورت تک نہیں دیکھی تاہم بعض کھانے آپ کو نہایت مرغوب تھے۔ سرکہ شہد حلوہ روغنِ زیتون کدو خصوصیت کے ساتھ پسند تھے۔ سالن میں کدو ہوتا تو پیالہ میں اس کی قاشیں انگلیوں سے ڈھونڈتے۔

ایک دن حضرت ام ہانی رض کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا کچھ کھانے کو ہے بولیں کہ سرکہ ہے فرمایا جس گھر میں سرکہ ہو اسے نادار نہیں کہہ سکتے۔ عرب میں ایک کھانا ہوتا ہے جسے حیس کہتے ہیں یہ گھی میں پنیر اور کھجور ڈال کر پکایا جاتا ہے آپکو یہ بہت مرغوب تھا۔ ایک دفعہ حضرت امام حسن علیہ السلام اور عبداللہ بن عباس رض سلمیٰ کے پاس گئے اور کہا کہ آج ہم کو وہ کھانا پکا کر کھلاؤ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مرغوب تھا۔ بولیں تم کو وہ کیا پسند آئے گا؟ ان لوگوں نے اصرار کیا تو انہوں نے جو کا آٹا پیس کر ہانڈی میں چڑھا دیا اوپر سے روغنِ زیتون اور زیرہ اور کالی مرچیں ڈال دیں پک گیا تو لوگوں کے سامنے رکھا اور کہا یہ آپ کی محبوب ترین غذا تھی۔ گوشت کے اقسام میں سے آپ نے دنبہ بٹیر (حباری) اونٹ بکری بھیڑ گورخر خرگوش اور مچھلی کا گوشت کھایا ہے۔ دست (دستی) کا گوشت بہت پسند تھا۔ شمائل ترمذی میں حضرت عائشہ رض کا قول نقل کیا ہے کہ دستی کا

گوشت فی نفسہٖ آپ کو چنداں مرغوب نہ تھا۔ بات یہ تھی کہ کئی کئی دن تک گوشت نصیب نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے جب کبھی مل جاتا تو آپ چاہتے تھے کہ جلد پک کر تیار ہو جائے دستی کا گوشت جلدی گل جاتا ہے اس لئے آپ اسی کی فرمائش کرتے لیکن متعدد روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یوں بھی آپ کو یہ گوشت پسند تھا۔ تربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے۔ پتلی ککڑیاں پسند تھیں ایک دفعہ معوذ بن عفرا کی صاحبزادی نے کھجور اور پتلی ککڑیاں خدمت میں پیش کیں۔

بعض اوقات روٹی کے ساتھ کھجور تناول فرمائی ہے ٹھنڈا پانی نہایت مرغوب تھا۔ دودھ کبھی خالص نوش فرماتے کبھی اس میں پانی ملا دیتے تھے کشمش کھجور انگور پانی میں بھگو دیا جاتا کچھ دیر کے بعد وہ پانی نوش جاں فرماتے کھانے کے ظروف میں ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو لوہے کے تاروں سے بندھا ہوا تھا۔ روایت میں اسی قدر ہے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹوٹ گیا ہو گا اس لئے تاروں سے جوڑ دیا گیا۔

دسترخوان پر جو کھانا آتا اگر ناپسند ہوتا تو اس میں ہاتھ نہ ڈالتے لیکن اس کو برا نہ کہتے جو سالن سامنے ہوتا اسی میں ہاتھ ڈالتے ادھر ادھر ہاتھ نہ بڑھاتے اور اس سے اوروں کو بھی منع فرماتے کھانا کبھی مسند یا تکیہ پر ٹیک لگا کر نہ کھاتے اور اس کو ناپسند فرماتے میز یا خوان پر کبھی نہیں کھایا خوان زمین سے کسی قدر اونچی میز

ہوتی تھی۔ عجم اس پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے۔ چونکہ یہ بھی فخر اور امتیاز کی علامت تھی یعنی امراء اور اہلِ جاہ کے ساتھ مخصوص تھی۔ اس لئے آپ نے اس پر کھانا پسند نہیں فرمایا۔ کھانا صرف انگلیوں سے کھاتے گوشت کو کبھی کبھی چھری سے کاٹ کر بھی کھاتے (یعنی جب ٹکڑا بہت بڑا ہوتا) صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔ ابوداؤد میں ایک حدیث ہے کہ گوشت چھری سے نہ کاٹو کیونکہ یہ اہلِ عجم کا شعار ہے لیکن ابوداؤد نے خود اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اس حدیث کے راوی ابوالعشر نجیح ہیں جن کی نسبت بخاری نے لکھا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہیں اور انہی منکرات میں حدیث مذکور بھی ہے۔

کھانے کے آداب :-

امام بخاریؒ نے حضرت عمرؓ بن ابی سلمہ سے روایت کیا ہے کہ میں لڑکپن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوشِ تربیت میں تھا۔ اور میرا ہاتھ سالن کے برتن میں گھوم رہا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لڑکے بسم اللہ پڑھ کر اپنے داہنے ہاتھ کے ساتھ اپنے آگے سے کھاؤ بس اس کے بعد سے میں نے اسی طرح کھانا شروع کر دیا۔

بخاری شریف میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا نام لے کر کھاؤ اور ہر شخص اپنے بالکل آگے سے کھائے۔

حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھایا کرتے تھے جنہیں بعد میں چاٹ لیتے تھے۔

یعنی کھانے میں جاہلوں کی طرح سارا ہاتھ نہیں بھرتے تھے۔ کیونکہ بعض دیکھنے والوں کو کراہت ہوتی ہے اور ویسے بھی یہ ایک قسم کی بدتمیزی سی معلوم ہوتی ہے کہ بے صبری کے ساتھ سارے ہاتھ کھانے میں بھرلے اور بعد میں انگلیاں اس لئے چاٹ لیتے تھے کہ ان پر کھانے کے جو ذرات لگے ہوئے ہیں ان کی بے ادبی نہ ہو اور چاٹتے وقت دانتوں سے جو تھوک نکل کر معدے میں جاتا ہے وہ ہاضمے کے لئے مددگار رہتا ہے۔ یہ تین انگلیاں انگوٹھا انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی ہوتی تھیں۔

ابو جحیفہؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔

حضرت عمر بن ابی سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا جبکہ آپ کے سامنے کھانا رکھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا بیٹے آگے ہو جاؤ اور

بسم اللہ پڑھ کر اپنے آگے سے کھاؤ۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے دوران اسے جب یاد آئے تو وہ بِسۡمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ پڑھ لے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالتے تھے اگر پسند ہوتا تو کھا لیتے ناپسند ہوتا تو نہ کھاتے۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چاہتا ہو کہ اس کے گھر میں خیر و برکت ہو تو اسے چاہیئے کہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد بھی وضو کرے۔

تو گویا اسلامی آداب میں سے یہ ہے کہ کھانے سے پہلے صرف ہاتھ دھونے پر اکتفا نہ کرے بلکہ پورا وضو کرے اور اگر اتنا تکلف نہ کر سکتا ہو تو کم از کم ہاتھ تو ضرور دھو لے اور کھانے کے بعد وضو کرنے سے مراد غالباً ہاتھ منہ دھو لینا ہے تاکہ کھانے کی چکناہٹ جاتی رہے۔

حضرت عبد اللہ بن   کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بکری کا ہدیہ پیش کیا گیا (یعنی بھنی ہوئی) آپ دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اور کھانے لگے

ایک بدوی کہنے لگا اس طرح بیٹھنے کی کیا تُک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے مجھے عاجز بندہ بنایا ہے مغرور و متکبر نہیں بنایا) یعنی اللہ تعالےٰ کی خلقت کے مطابق میں عاجزی اور انکساری کو پسند کرتا ہوں کھانا کھانے کا وقت چونکہ اللہ تعالےٰ کی ایک بہت بڑی نعمت سے لطف اندوز ہونے کا وقت ہوتا ہے اس لئے اس وقت شکر گزاری اور احسان مندی کا اظہار کرنے کے لئے اپنی ظاہری حالت کو بھی بندوں اور غلاموں جیسی بنانا چاہیئے تاکہ رزاقِ حقیقی خوش ہو کر اور زیادہ عطا کرے نہ یہ کہ آج کل کے انسان نما ڈنگروں کی طرح میزوں کے اردگرد گھوم پھر کر کھایا جائے جیسے چوپائے اپنی کھرلیوں پر کھڑے ہو کر کھاتے ہیں یہ تو مویشیوں سے بھی گئی گزری بات ہے کہ وہ تو جہاں بندھے ہوئے ہوں اسی کھرلی پر کھڑے ہو کر کھا لیتے ہیں مگر ہمارے یہ انگریز کے فیض یافتہ صاحب بہادر تو ہر پلیٹ کا چچہ بننے کے لئے ساری میزوں کا طواف کرتے ہیں چلتے بھی رہتے ہیں اور ادھر اُدھر منہ بھی مارتے جاتے ہیں گویا آج کی ترقی یافتہ انسانیت پھر اسی جہالت کے قریب پہنچ گئی ہے جس کے ایک نمائندے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھ کر کھانے پر اعتراض کیا تھا۔

اللہ تعالےٰ جزائے خیر دے ———— مولانا غلام غوث ہزاروی مدظلہٗ

کو جنہوں نے اس رسم بد کو توڑ کر بیٹھ کر کھانے کی سنتِ رسول کو زندہ کیا۔ آپ اسلام آباد میں اپنی نواسی کے نکاح کی تقریب میں شریک ہوئے لڑکا جو دارالحکومت میں کسی محکمہ کا ڈائرکیٹر ہے اس نے ماحول کے مطابق کھڑے ہو کر کھانے کا انتظام کر رکھا تھا۔ صرف حضرت مولانا ہزاروی اور ان کے دو ایک ساتھیوں کے لئے کرسیوں کا انتظام کیا گیا تھا۔ جب مولانا کو پتہ چلا کہ تمام مہمانوں کو سنتِ رسول اور اسلامی تہذیب کے برخلاف کھڑے کر کے کھانا کھلایا جائے گا تو آپ نے فرمایا لعنت ہے ایسے کھانے پر یا تو سب کے لئے بیٹھ کر کھانے کا انتظام کیا جائے یا پھر مجھے جانے دیجئے کہ میں انسانیت کی یہ تذلیل برداشت نہیں کر سکتا کہ اچھے بھلے انسانوں کو چوپایوں کی طرح کھڑے ہو کر کھانے پر مجبور کیا جائے۔ چنانچہ حضرت مولانا کے اس کلمۂ حق کی وجہ سے بڑے بڑے صاحب بہادروں نے پوری طرح سنتِ رسول کے مطابق تو نہیں البتہ حدِ جواز کے اندر کرسیوں پر بیٹھ کر کھانا کھایا حق تعالٰے ہمیں بھی مولانا کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہر رسمِ بد کے خلاف جہاد کرنے اور متروکہ سنتوں کو زندہ کرنے کی توفیق بخشے۔

نوٹ:۔ بعض ناعاقبت اندیش حضرات کھڑے ہو کر کھانے کے جواز میں اس حدیث سے سہارا لیتے ہیں جس میں آتا ہے کہ کنا نمشی ونا کل وکنا نسعی ونا کل

یعنی ہم چل بھی رہے ہوتے تھے اور کھاتے بھی جاتے تھے اور ہم دوڑ رہے ہوتے تھے اور کھاتے بھی جاتے تھے۔ سوان کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے گزارش ہے کہ صحابہ کرام کے یہ الفاظ جہاد اور سفر پر محمول ہیں جبکہ ٹھہرنے اور بیٹھنے کی گنجائش نہیں ہوتی اور مجاہدین مجبور ہوتے ہیں کہ کھڑے کھڑے اور چلتے چلتے ہی کوئی چیز حلق سے اتار لیں تاکہ زیادہ کمزوری نہ ہو جائے۔

حضرت سالمؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوندھے لیٹ کر کھانے سے منع فرمایا ہے۔

خلافِ سنت ہونے کے علاوہ اس طرح کھانے سے بیمار ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ لیٹنے کے وقت معدہ اپنی طبعی حالت پر نہیں ہوتا ایسے وقت جو چیز اس میں پہنچائی جائے گی وہ اپنی قدرتی جگہ حاصل نہیں کر سکتی اس لئے تکلیف کا سبب بن سکتی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر کسی کو چاہیئے داہنے ہاتھ کے ساتھ کھائے داہنے ہاتھ کے ساتھ پیئے داہنے ہاتھ کے ساتھ پکڑے اور داہنے ہاتھ کے ساتھ پکڑائے اس لئے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے بائیں سے پیتا ہے۔ بائیں سے دیتا ہے اور بائیں

سے لیتا ہے۔

اس کے برعکس آج کل ہمارے ہاں بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کو مہذب اور ماڈرن ہونے کی دلیل سمجھا جاتا ہے سچ ہے کہ جب حق تعالےٰ کسی قوم کی مت مار دیتے ہیں تو پھر اسے صحیح غلط کھرے کھوٹے اچھے اور برے میں کوئی تمیز نہیں رہتی جس ہاتھ کو انسان اپنے استنجے کی جگہوں پر لگاتا ہو اسی سے کھانے پینے پر فخر کرنے لگے تو پھر مت نہیں ماری گئی تو اور کیا ہے میں نے سنا ہے کہ سابق ریاست حیدر آباد دکن میں لوگ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے مددگار کے طور پر بھی کھانے کے ساتھ نہیں لگاتے تھے کہ یہ بھی ان کے لئے کراہت کا سبب تھا۔ افسوس شیطان کے اتباع میں یہ لوگ بائیں ہاتھ سے تو کھا سکتے ہیں مگر محمد عربی فداہ ابی وامی کے اتباع میں یہ دائیں ہاتھ سے نہیں کھا سکتے۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِهِمْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

امّ عاصم رضؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت نبیشہؓ ہمارے ہاں گئے ہم ایک پیالے میں کھانا کھا رہے تھے دیکھ کر کہنے لگے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص پیالے میں کھانا کھانے کے بعد اسے انگلی سے چاٹ لے تو وہ پیالہ اس کے واسطے استغفار کرتا ہے۔

ہمارے ہاں آج کل کھانے کے بعد برتن کو اسی طرح آلودہ حالت میں چھوڑ دیا جاتا ہے جیسے کووں یا مرغیوں نے کسی برتن میں ٹھونگیں مار مار کے اس کا ستیاناس کر دیا ہو یا بلی کتوں نے کسی کھانے کی چیز کو چٹ کر رکھا ہو۔ اگر اس حدیث کے مفہوم مخالف کا اعتبار کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارے کھانے کے تمام برتن ہمارے حق میں بددعائیں اور لعنتیں کرتے ہیں کہ ہم نے ان کے حق کے مطابق ان کی صفائی نہیں کی اور یہ رزق کی بھی بے حرمتی ہے کہ اسے دھو کر گندی نالیوں میں بہا دیا جائے پھر وہ ہمارے لئے بددعائیں نہیں کرے گا تو کیا دعائیں دے گا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر پڑے تو اسے چاہیئے کہ مٹی وغیرہ اس پر سے جھاڑ پونچھ کر کھا لے۔

کیونکہ اسی طرح چھوڑ دینے میں رزق کی بے ادبی اور ایک قسم کے تکبر اور مغروری کا اظہار ہے جسے خداوند تعالیٰ پسند نہیں کرتے۔

سنتِ رسولؐ کی حمیت :-

حضرت حسنؓ کہتے ہیں کہ معقل بن یسارؓ جو کسی علاقے کے امیر تھے کھانا کھاتے ہوئے ان کے ہاتھ سے لقمہ گر گیا۔ انہوں نے اٹھالیا اور پونچھ کر کھا گئے وہاں پہ موجود دہقانوں نے اس پر بڑے اشارے کنائے کئے کہ یہ کیسا امیر ہے جو گرے ہوئے لقمے اٹھا کر کھاتا ہے کسی صاحب نے کہہ دیا کہ اللہ تعالےٰ امیر کی حالت درست کرے آپ کے لقمہ اٹھانے پر یہ زمیندار لوگ حقارت سے اشارے کنائے کر رہے ہیں کیونکہ کھانا تو کافی مقدار میں آپ کے آگے رکھا ہوا ہے۔ حضرت معقلؓ نے جواب دیا کہ میں ان جاہل عجمیوں کی وجہ سے اپنے نبی کے اس حکم کو نہیں چھوڑ سکتا جو میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے یہ ہماری عام عادت تھی کہ جب کسی سے لقمہ گر جاتا تو ہم اسے حکم دیتے کہ وہ اسے اٹھالے اور جھاڑ کر کھالے اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑے)

ہم لوگ عام طور پر سنتِ رسول پر عمل کرنے سے اس لئے کتراتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے کہ یہ بیسویں صدی میں ہوتا ہوا ابھی چودہ سو سال پرانے رسم و رواج کا پابند ہے گویا ہمیں آج کل کے مہذب جاہلین سے تو شرم آتی

ہے کہ یہ کیا کہیں گے کہیں میرا مذاق نہ اڑائیں مگر آقائے نامدار انبیاء کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم نہیں آتی کہ وہ کیا کہیں گے۔ کہ تم نے چودہویں صدی کے ترقی یافتہ بندروں کی تو لاج رکھ لی مگر جس نبی کا کلمہ پڑھتے تھے اس کی لاج رکھنے کی تمہیں توفیق نہ ہوئی کیوں نہ غیرتِ اسلامی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت معقل بن یسارؓ کی طرح تم نے دنیادار متکبروں کے علی الرغم میرے اسوۂ حسنہ کی علی الاعلان پیروی کی۔ کیوں نہ جدید تہذیب کے پرستاروں اور باپ دادا کے مقلدوں کو نظر انداز کرتے ہوئے تم نے سنتِ رسول کو زندہ کیا۔ اے اللہ ہمیں بھی حضرت معقلؓ جیسی سنت رسول کی حمیت عطا فرما۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو کھانے میں پھونک مارتے تھے نہ پینے میں اور نہ ہی برتن میں سانس لیتے تھے)

سالن گرم ہو یا کوئی چائے دودھ وغیرہ تو ہم لوگ اسے ٹھنڈا کرنے کے لئے پھونکیں مارنے لگ جاتے ہیں یہی خلافِ سنت ہے اگر ٹھنڈا ہی کرنا منظور ہو تو اسے ہوا میں رکھ کے ذرا انتظار کرلے یا پنکھا کر کے ٹھنڈا کرلے منہ سے پھونکیں نہ مارے کہ یہ دوسروں کے واسطے کراہت کا سبب ہے۔

اور آج کل ڈاکٹر لوگ تو اسے انتقالِ جراثیم کا سبب کہیں گے اسی طرح گلاس منہ سے ہٹائے بغیر اس میں سانس لینا بھی اسی کراہت کا سبب ہے اور ایسا کرنے میں حد سے بڑھا ہوا حرص و لالچ بھی محسوس ہوتا ہے کہ یہ شدّتِ حرص کی وجہ سے گلاس کو منہ سے ہٹانے کا بھی روادار نہیں اندر ہی سانس لئے جا رہا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ دستر خوان اٹھانے سے پہلے کوئی شخص کھڑا ہو۔

کیونکہ اس سے باقی کھانے والوں کو شرم محسوس ہوتی ہے کہ دیکھنے والے انہیں پیٹو اور بسیار خور سمجھیں گے اور کھانے کی بے قدری بھی معلوم ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دستر خوان بچھایا جائے تو کوئی شخص اس وقت تک نہ اٹھے جب تک کہ دستر خوان اٹھا نہ لیا جائے اور نہ ہی اپنا ہاتھ پیچھے ہٹائے اگرچہ سیر ہو چکا ہو جب تک کہ سارے لوگ فارغ نہ ہو جائیں اور اگر اسے مزید کھانے کی بالکل گنجائش نہ ہو تو اپنی طرف سے معذرت کر کے ہاتھ کھینچے اس لئے کہ آدمی جب اپنے ہم نشیں کو اس طرح شرمندہ کرے گا تو وہ بھی اپنا ہاتھ اٹھانے پہ مجبور ہوگا حالانکہ یہ ہو سکتا

ہے کہ اس کو ابھی کھانے کی ضرورت باقی ہو۔

یہ خلقِ پیغمبر ہی کا حق ہے کہ اپنے ہم نشینوں کی عزتِ نفس کا اس قدر خیال رکھا جاتا ہے کہ مبادا اس کے ہاتھ روک لینے پر اس کا ساتھی شرمندہ نہ ہو جائے اور وہ اس شرم کی وجہ سے کھانے کو چھوڑ بیٹھے۔ آج ہم لوگ جان بوجھ کر دوسروں کو شرمندہ اور ہیچ کرنے کی سکیمیں سوچتے اور ان کی دل آزاری میں بڑا فخر محسوس کرتے ہیں کہاں خلقِ پیغمبر کی عظمت کہاں ہماری اس بد اخلاقی کی پستی ؎

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

حافظ شیرازیؒ نے اس معنی میں بہت خوب کہا ہے۔ ؎

مباش در پئے آزار و ہر چہ خواہی کن　　　کہ در شریعتِ ما غیر ازیں گناہے نیست

تو دوسروں سے پہلے دسترخوان سے اٹھ جانا یا ہاتھ کھینچ کے بیٹھ جانا آدابِ مجلس کے خلاف اور دوسروں کی شرمندگی کا سبب ہے اس لئے اگر بھوک نہ بھی ہو تو بھی مجلس کی موافقت کرنے کے لئے کبھی کبھی ہاتھ لگا لیا کرے کہ دوسرے شرکاء اس خوش فہمی میں مبتلا رہ کر اپنی ضرورت پوری کر لیں کہ ابھی تو سارے ہی کھا رہے ہیں ہم کیوں سیر ہونے سے پہلے ہٹیں۔

حضرت ابو ذرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب تو

شوربا پکائے تو تجھے چاہیئے کہ پانی ذرا زیادہ ڈال لے اور اس میں سے چند گھونٹ اپنے پڑوسیوں کو بھی دے دے۔

یعنی جہاں تک ہو سکے پڑوسیوں کے حقوق کا خیال رکھے ان میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ جب تیرے کام و دھن گوشت سے لذت اندوز ہوں تو شوربے کے چند گھونٹ تیرے پڑوسیوں کو بھی ملنے چاہئیں اس لئے کہ جب گوشت کو بھونتے ہیں تو اس کی خوشبو آس پاس کے گھروں میں ضرور پہنچ جاتی ہے پس اگر وہ نادار ہوں تو یہ سوچ کر للچائیں گے کہ ہمارا پڑوسی تو آج گوشت کھا رہا ہے اگر خدا نے ہمیں بھی وسعت دی ہوتی تو ہم بھی اس کی طرح گوشت کھاتے اور اگر وہ مالدار ہے تو بھی ہو سکتا ہے کہ اس دن ان کا گوشت کھانے کا پروگرام نہ ہو اور تمہارے ہاں سے خوشبو پھیلے تو انہیں یا ان کے بچوں کی خواہش بیدار ہو جائے تو چونکہ یہ تمہاری طرف سے پیدا کردہ ہے اس لئے تمہیں ہی چاہیئے کہ از خود تھوڑا بہت حصہ انہیں پہنچا کر ان کی دلداری اور دعا جوئی کا سامان کرو۔

کھانے کے بعد کی دعائیں :۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب

فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی اَطْعَمَنِیْ وَسَقَانِیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ) اس حدیث میں اَطْعَمَنَا کی بھی روایت ہے یعنی سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے مجھے یا ہم کو کھانا کھلایا اور جس نے مجھے یا ہم کو پانی پلایا اور جس نے مجھے یا ہم کو مسلمانوں میں سے بنایا۔

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے دستر خوان اٹھایا جاتا تو آپ یہ دعا پڑھتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْهِ غَیْرَ مَوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًی عَنْهُ رَبَّنَا یعنی سب تعریف اللہ کے لئے ہے بہت ہی زیادہ تعریف ایسی تعریف جو پاکیزہ اور بابرکت ہے ایسی تعریف جو متروک نہیں ہو سکتی اور نہ ہم اس سے بے نیاز ہو سکتے ہیں اے ہمارے پروردگار۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ بندے سے راضی ہوتے ہیں جبکہ وہ کھانے کا لقمہ کھا کر یا پانی کا گھونٹ پی کر اللہ کی حمد و ثنا کرے۔

ہشام بن عروہؒ اپنے باپ حضرت عروہؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انکے پاس جب بھی کوئی کھانے یا پینے کی چیز لائی جاتی حتیٰ کہ دوا بھی ہوتی تو اسے کھا کر یہ دعا ضرور پڑھتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا وَاَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَنَعَّمَنَا وَاللّٰهُ اَکْبَرُ

اَللّٰھُمَّ اِلفتنا نعمتك بكل شر فاصبحنا منها وامسينا بكل خير نسألك تمامها وشكرها لا خير الا خيرك ولا اله غيرك اله الصالحين ورب العالمين الحمد للہ ولا اله الا اللہ ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ اللھم بارك لنا فی ما رزقتنا وقنا عذاب النار۔

یعنی سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی کھانے اور پینے کو دیا اور ہم کو نعمتیں مرحمت فرمائیں اور اللہ ہی سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ تیری نعمتوں نے ہمیں ہر شر و مصیبت میں مبتلا پایا لیکن تیری نعمت کی بدولت ہماری صبحیں اور شامیں بخیر ہو گئیں ہماری گذارش ہے کہ تو اپنی اس نعمت کو ہم پر تمام فرما دے اور اس کی شکرگزاری کی ہم کو توفیق دے اس لئے کہ تیری خیر کے سوا کوئی خیر نہیں اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو صالحین کا معبود ہے اور سارے جہانوں کا پروردگار ہے سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے نیکی کی ہمت و قوت بھی اللہ ہی سے ملتی ہے اے اللہ تو نے ہمیں رزق عطا فرمایا ہے۔ اس میں برکت ڈال دے اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالے۔

یہ دعا اگرچہ صحابی پر موقوف ہے لیکن جس التزام سے وہ اسے پڑھا کرتے

تھے اس سے یقین ہوتا ہے کہ لازماً انہوں نے یہ دعائیہ الفاظ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہیں کیونکہ صحابہ سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ حضورؐ کے الفاظ چھوڑ کر اپنے الفاظ کا اہتمام کریں۔

کھانے میں برکت اور بے برکتی :-

حضرت ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آپؐ کے سامنے کھانا لایا گیا۔ تو ابتدا کے لحاظ سے کوئی کھانا ہم نے اس سے زیادہ بابرکت نہیں دیکھا اور انتہا کے لحاظ سے کوئی کھانا اس سے زیادہ بے برکت نہ پایا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے ہوا۔ آپؐ نے فرمایا ہم نے بسم اللہ پڑھ کے کھانا شروع کیا تھا اللہ نے اس میں برکت دی پھر ایک ایسا شخص آبیٹھا جس نے بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا شروع کر دیا اس کے ساتھ شیطان شریک ہو گیا۔ اس لئے کھانے کی برکت اٹھ گئی۔

امام بخاریؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ میرے باپ حضرت ابوطلحہؓ نے اپنی بیوی ام سلیم سے کہا کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بہت کمزور سنی ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو سخت بھوک لگی ہوئی ہے۔ تو کیا تیرے پاس

کوئی کھانے کی چیز ہے انہوں نے کہا ہاں۔ پھر جو کی چند روٹیاں نکالیں اور انہیں اپنی اوڑھنی کے ایک پلے میں لپیٹ کر میرے کپڑوں کے نیچے چھپا دیا اور دوسرا پلہ مجھے اوڑھا دیا پھر مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا میں گیا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں بیٹھے پایا اور ان کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ تھے۔ میں نے ان کو سلام کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تجھے ابو طلحہ نے بھیجا ہے میں نے کہا ہاں آپؐ نے فرمایا کھانا دے کر؟ میں نے کہا جی ہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب ساتھیوں سے کہا کہ اٹھو چلو۔ حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ ہمارے گھر کی طرف چلے تو میں بھی آپ کے ساتھ چل پڑا اور آگے بڑھ کر جلدی سے اپنے باپ حضرت ابو طلحہ کو سارا ماجرا بتلا دیا۔ ابو طلحہ نے کہا اے ام سلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سب لوگوں کو ساتھ لئے آرہے ہیں ہمارے پاس سب کو کھلانے کے لئے کھانا ہے نہیں انہوں نے کہا گھبرانے کی ضرورت نہیں اللہ اور اس کے رسول پر چھوڑو حضرت ابو طلحہ باہر آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے آپ ابو طلحہ کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے اور فرمایا اے ام سلیم تیرے پاس کھلانے کو جو کچھ بھی ہے لے آو وہی روٹیاں لے آئیں آپ نے ان روٹیوں کو توڑ کر چورا کیا ام سلیم گھی کی کپی لے آئیں اور اس چورے پر انڈیل کر چوری بنا

دی پھر آپ نے اس پر کوئی دعا پڑھی اور فرمایا دس آدمیوں کو کھانے کے لئے کہو دس آدمی دسترخوان پر بٹھا دیئے گئے انہوں نے کھایا اور سیر ہو گئے پھر آپ نے فرمایا اور دس کو بٹھاو وہ بھی کھا کر سیر ہو گئے اور چلے گئے پھر آپ نے فرمایا اور دس کو بلالو اسی طرح سب لوگ کھا کھا کے سیر ہو گئے حالانکہ وہ ستر یا اسی^(۸۰) آدمی تھے ۔

حضرت وحشی بن حرب کہتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم کھانا کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں ہوتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تم لوگ علیحدہ علیحدہ کھاتے ہو انہوں نے کہا کہ ہاں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا تو اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھایا کرو اور اللہ کا نام لے کر شروع کیا کرو تمہیں اس میں برکت دی جائے گی۔

ایک مجلس میں کھانے والوں کا ایک بڑے برتن میں مل جل کے کھانا برکت کا سبب ہے ہم نے مرغیوں کو دیکھا ہے کہ جس کے ہاتھ کوئی روٹی کا ٹکڑا لگ جاتا ہے وہ اسے چونچ میں لے کر سر توڑ بھاگتی ہے تاکہ کہیں علیحدگی میں جا کر کھائے لیکن باقی مرغیاں بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتیں اسے خوب دوڑاتی ہیں حتیٰ کہ تھک تھکا کے خود ہی اس کے منہ سے وہ ٹکڑا گر جاتا ہے اور دوسری اٹھا کر کھا جاتی ہیں مگر انسان تو اُنس سے مشتق ہے مرغیوں کے برعکس اسے تو محبت و موانست سے

باہم مل جل کے کھانا چاہیئے تاکہ اکٹھے کھانا ان کے دلوں کی شیرازہ بندی کا سبب ہو۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب مل کر کھاؤ اور علیحدہ علیحدہ نہ بیٹھو اس لئے کہ برکت خداوندی جماعت کے ساتھ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روٹی اور تنگیٔ معیشت کا بیان

حضرت عائشۃ الصدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال آپ کی وفات تک متواتر دو دن بھی جَو کی روٹیوں سے سیر نہیں ہوئے۔

حضرت ابوامامہ باہلیؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال سے جَو کی روٹی بھی کبھی نہ بچتی تھی یعنی پیٹ بھر کھانے کو نہ ملتی تھی تو بچنا کہاں سے تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گھر والوں پر کئی کئی راتیں ایسی گزرتی تھیں کہ انہیں رات کو کھانے کے لئے کچھ نہیں ملتا تھا۔ اور اکثر و بیشتر ان کی روٹی جَو کی ہوتی تھی۔

حضرت سہل بن سعدؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سفید میدے کی روٹی بھی کھائی ہے انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدے کی روٹی کبھی دیکھی بھی نہ تھی اسی حالت میں وہ اللہ کو پیارے ہو

گئے پھر پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تم لوگوں کے ہاں چھلنیاں کیسی ہوتی تھیں آپ نے فرمایا چھلنی ولنی ہمارے پاس بالکل نہیں ہوتی تھی۔ سائل نے کہا پھر تم جو کا آٹا کیسے صاف کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ بس پھونکیں مار کر تھوڑے بہت تنکے اور بورا اڑا دیتے تھے اسی طرح پھر گوندھ لیتے تھے۔

بن چھنی جَو کی روٹی کھانا تو بڑے مجاہدہ کا کام ہے ہم لوگ تو گندم کی روٹی بھی بے چھنی نہیں کھا سکتے اس سے آپ کے صبر و قناعت اور للّٰہیت کا اندازہ کرو کہ وہ اسی طرح بھوکے پیاسے رہ کر پھر بھی خدا تعالےٰ کے کتنے شکر گزار تھے دو دو تین تین دن بعد جب جَو کی روٹی اور وہ بھی ناکافی کھانے کو مل جاتی تھی تو حمد و ثنا کی دعائیں پڑھتے پڑھتے نہیں تھکتے تھے۔ افسوس ہمیں پراٹھے اور حلوہ پوری ملیں تو پھر بھی شکر کا کلمہ ہماری زبان پر نہ آئے معاذ اللہ پھر بھی اللہ تعالےٰ کے گلے شکوے کریں۔ اے پروردگار تو ہمیں بھی اپنے شکر گزار بندے بنا۔

حضرت انس بن مالک رضؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میز پر کبھی کھانا نہیں کھایا اور نہ پلیٹوں میں اور نہ کبھی آپ کے لئے پتلی چپاتی پکائی گئی راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ کے شاگرد جنابِ قتادہ سے پوچھا کہ پھر کس

چیز پر رکھ کر کھاتے تھے ۔ انہوں نے فرمایا انہی چمڑے کے دستر خوانوں پر۔

حضرت مسروق تابعیؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں گیا۔ انہوں نے میرے لئے کھانا منگوایا اور فرمانے لگیں کہ میں جب کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھاتی ہوں تو میرا بے اختیار رونے کو جی چاہتا ہے میں نے پوچھا کیوں فرمایا مجھے تنگی کی وہ حالت یاد آجاتی ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی اللہ کی قسم آپ کبھی بھی ایک دن میں دو دفعہ روٹی یا گوشت سے سیر نہیں ہوئے ۔

محمد رسول اللہ والذین معہٗ کی تنگی گزران کے حالات

آج ہم لوگ جس خوشحالی اور فارغ البالی سے زندگی گزار رہے ہیں یہ وہی دور ہے جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں تمہارے فقر اور ناداری سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ اس بات سے کہ تمہارے لئے دنیا کے دروازے کھول دیئے جائیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر کھولے گئے اور تم دنیا کے مال و دولت پر ایسے ٹوٹ پڑو جیسے تم سے پہلی امتیں ٹوٹ پڑی تھیں اور وہ تمہیں بھی ویسے ہی غافل کر دے جیسے اس نے ان لوگوں کو کر دیا تھا۔
اھ کما قال)

کیونکہ کم ظرف اور تنگ معدہ شخص زیادہ مقوی غذا کو ہضم نہیں کر سکتا اسی طرح یہ لوگ روپے پیسے کی کثرت اور مال و منال کی فراوانی میں اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکیں گے بلکہ جس طرح چھوٹا برتن زیادہ چیز ڈال دینے کی وجہ سے بھر بھر کر ہو کر لبالب لگ جاتا ہے اسی طرح کم ظرف لوگ کثرت کے ساتھ کھا پی کر خوش عیشی اور مرفہ الحالی کی وجہ سے ڈکارنے اور دھاڑنے لگ جائیں گے ان کو خدا کی شکر گزاری کی توفیق نہ ہوگی بلکہ خطرہ ہے کہ وہ اپنے خدا ہی کو فراموش نہ کر بیٹھیں چنانچہ آج عامۃ المسلمین کی حالت دیکھ کر حضور علیہ السلام کے اس فرمان کی صداقت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس شخص کو ذرا بافراغت روٹی ملنے لگ جاتی ہے وہی نماز روزہ چھوڑ کر عیش و عشرت میں پڑ جاتا ہے شکل و صورت اور لباس و پوشاک کی سنتیں چھوڑ کر دشمنانِ خدا اور رسول کی وضع قطع اور طریق کو اختیار کر لیتا ہے۔

خدا اور مخلوقِ خدا کے حقوق اس کو بھول جاتے ہیں اس کے دن پارٹیوں میں اور راتیں سینماؤں اور کلبوں میں گزرنے لگ جاتی ہیں اس کی کوشش ہوتی کہ وہ عیاشی اور فحاشی میں محمد شاہ رنگیلا اور شاہانِ اودھ کو مات کر دے اس لئے مجموعی طور پر امتِ مسلمہ کا مزاج کثرتِ مال کے ساتھ میل نہیں کھاتا۔ اس کی وجہ سے وہ خدا سے دور اور شیطان سے قریب ہو جاتا ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نام لیواؤں

کے لئے اسے سب سے زیادہ خطرناک چیز تصور فرماتے تھے۔ مگر اس کے بالمقابل ہمارے اسلافِ کرام پیٹوں پر پتھر باندھ کر مہینوں بھوکے اور پیاسے رہ کر اعلاءِ کلمۃ اللہ کی خاطر ایسے عظیم الشان کارنامے سرانجام دے گئے ہیں کہ آج ہمیں ان پر یقین کرنا مشکل ہے ہماری نئی پود تو انہیں افسانوں سے زیادہ وقعت دینے کے لئے تیار نہیں جن نامساعد حالات اور جس تنگیِ معیشت میں ان حضراتِ کرام نے یہ سنہری کارنامے سرانجام دیئے ہیں اس کی تھوڑی سی جھلک دکھانے کے لئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابِ کرامؓ کے یہ چند واقعات احادیثِ صحیحہ سے نقل کر رہا ہوں۔

حضور علیہ السلام کی گزر اوقات :-

امام مالکؒ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد شریف میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور جناب عمر فاروقؓ کو کھڑے پایا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیسے کھڑے ہو رہے ہو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم بھوک سے بے تاب ہو کر گھروں سے نکل آئے ہیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بھی بھوک ہی نکال لائی ہے سب مل کر ابو تیہان انصاریؓ

کے گھر تشریف لے گئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا کہ کوئی جو دو
کا آٹا ہو تو پکا دو وہ اٹھ کر بکری ذبح کرنے کے لئے جانے لگے تو آپؐ نے فرمایا
دیکھو دودھیالی بکری نہ ذبح کرنا اس نے بکری ذبح کی میٹھے پانی کا مشکیزہ لا کر ٹھنڈا
ہونے کے لئے کھجور پر لٹکا دیا جب تک کھانا تیار ہو گیا تو وہ کھانا لے کر آگئے سب
حضرات نے کھانا کھایا اور وہ پانی پیا پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
لَتُسْئَلُنَّ عَنْ نَعِیْمِ ھٰذَا الْیَوْمِ ۔ آج جو نعمتیں تم لوگوں نے کھائی ہیں ان کے
متعلق تم سے ضرور سوال کیا جائے گا۔

حضراتِ صحابۂ کرام اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محاسبۂ آخرت کا اس
قدر استحضار رہتا تھا کہ وہ ذرا ذرا سی بات پر چونک جاتے تھے اور حساب وکتاب
کی یاد سے روتے روتے ان کی گھگھی بندھ جاتی تھی۔ اب یہاں ہمارے زمانے
کے لحاظ سے انہوں نے کون سی نعمتیں کھائی ہیں جو کی روٹی مشکیزے کا پانی اور
بکری کا شوربا اور یہ بھی پتہ نہیں کہ ان صابرین کو یہ چیزیں کتنے دنوں کے بعد میسر
ہوئی تھیں اور وہ بھی اپنے گھر سے نہیں اتفاقاً قدرت نے ان کا سامان کر دیا تھا
اسی کو جتلا کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم سے ان نعمتوں کا ضرور
حساب لیا جائے گا۔ ایک ہم ہیں کہ دن رات عیش و عشرت میں رنگ برنگ کھانے

کھاتے قسم قسم کے پانی پیتے اور جدید سے جدید لباس پہنتے ہیں رہائش کے لئے کوٹھیاں اور بنگلے ملے ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمیں محاسبہ آخرت کا دھیان نہیں افسوس ہمارے دلوں پر مُردنی چھاگئی ہے ہماری آنکھوں پر پردے پڑگئے ہیں دنیا کے خزف ریزوں پر ہم اتنے ریجھ چکے ہیں کہ آخرت کی سدابہار نعمتیں ہمیں بھول گئی ہیں خدا کے بندو! اس آنی اور فانی کے بدلے اس باقی و پائیدار کو ہاتھ سے نہ جانے دو ورنہ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ کا مصداق بن جاؤ گے۔

حضرت عائشۃ الصدیقہ رضؓ بیان فرماتی ہیں کہ ہم اہل و عیالِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مہینہ مہینہ بھر اس طرح گزر جاتا تھا کہ ہم چولہے میں آگ جلا کر نہیں دیکھتے تھے۔ صرف پانی اور کھجور پر گزارہ ہوتا تھا۔ یعنی پکانے کے لئے کچھ ہوتا ہی نہ تھا۔ تو آگ کس لئے جلانا تھی۔

حضرت عائشہ رضؓ ہی بیان فرماتی ہیں کہ ہم اہلِ بیتِ رسول پر پورا مہینہ اس طرح گزر جاتا تھا کہ ہمارے گھروں سے دھواں نہیں اٹھتا تھا۔ ابوسلمہ نے پوچھا تو پھر تمہارا رشتۂ حیات کیسے باقی رہتا تھا۔ ام المومنین نے فرمایا بس یہی دو سیاہ چیزیں تھیں پانی اور کھجور۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ ہمارے پڑوس میں کچھ انصاری

گھرانے تھے جو سچے پڑوسی کہلانے کے حق دار ہیں ان کی بکریاں پالی ہوئی تھیں وہ کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے دودھ بھیج دیا کرتے تھے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دن کے وقت بھوک کی بے چینی سے پہلو بدلتے دیکھا ہے آپ کو ردی قسم کی کھجوریں بھی اتنی نہ ملتی تھیں جن سے پیٹ بھر سکے۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا کہتے ہوئے سنا ہے کہ اس ذاتِ پاک کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اہلِ بیتِ رسول نے کبھی اس حالت میں صبح نہیں کی کہ غلے یا کھجوروں کا ایک صاع بھی ان کے پاس ہو حالانکہ اس وقت آپ کے گھر میں نو بیویاں تھیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب سے آپ مدینہ منورہ تشریف لائے محمدؐ کے اہل بیت و آلِ اطہار نے مسلسل تین راتیں بھی گندم کی روٹی سے پیٹ بھر کے نہیں دیکھا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یہی حالت رہی۔

حضرتِ ابو طلحہؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے اپنے پیٹوں پر سے کرتے اٹھا کر دکھائے کہ ہر ایک نے

ایک ایک پتھر باندھ رکھا تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے شکم مبارک سے دامن اٹھا دیا آپ کے دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فقر و فاقہ اور تنگیٔ معیشت کو کسی شاعر نے کیا خوب نظم کیا ہے۔

يَا مَنْ لَمْ يَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ   وَيَا مَنْ اخْتَارَ الْحَصِيرَ عَلَى السَّرِيرِ

يَا مَنْ لَمْ يَنَمِ اللَّيْلَ كُلَّهُ   مِنْ خَوْفِ عَذَابِ رَبِّ السَّعِيرِ

اے وہ ذات جو جَو کی روٹی سے بھی شکم سیر نہ ہوئی

اور اے وہ ہستی جس نے تخت کے مقابلہ میں چٹائی کو پسند کیا

اے وہ شخصیت جو ساری ساری رات سویا نہ کرتی تھی

ربِّ دوزخ کے عذاب کے خوف سے

صحابۂ کرام کی گزر اوقات

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ کو زمین سے چپکا لیتا تھا۔ اور بھوک ہی کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا۔ ایک دن میں لوگوں کے اس راستے پر

بیٹھ گیا مسجد سے واپسی پر جہاں سے گزر کر وہ گھروں کو جایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کا گزر ہوا تو میں قرآن پاک کی ایک آیت کی تفسیر پوچھنے لگا۔ میں نے صرف اس لئے یہ سوالیہ شکل بنائی تھی۔ کہ جب سوال وجواب کرتے آپکے گھر تک پہنچ جائیں گے۔ تو ازراہِ کرم وہ مجھے کھلائے بغیر واپس نہیں کریں گے لیکن وہ تو اس طرح گزر گئے کہ میری امید بر نہ آئی۔ پھر حضرت عمرؓ گزرے میں نے ان سے بھی کتاب اللہ کی ایک آیت کے متعلق سوال کیا وہاں بھی میرا مقصد یہی تھا۔ لیکن وہ بھی گزر گئے اور مجھے کھانا نہ کھلایا۔ آخر میں حضرت ابوالقاسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا تو آپ نے مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا اور میرے چہرے سے میرے دل کی بات بھانپ گئے آپ نے فرمایا اَبا ہرّ؟ میں نے عرض کیا لبیک یارسول اللہ فرمایا آجا میرے پیچھے اور خود چل دیئے میں بھی آپ کے پیچھے چلنے لگا۔ آپ خانۂ اطہر میں داخل ہو گئے اور مجھے بھی اجازت مل گئی آپ نے دیکھا گھر میں دودھ کا ایک پیالہ رکھا ہوا ہے پوچھا کہاں سے آیا ہے انہوں نے بتلایا فلاں کے گھر سے آپ کے لئے ہدیہ آیا ہے آپ نے مجھے آواز دی اَبا ہرّ میں نے کہا لبیک یارسول اللہ فرمایا جاؤ اہلِ صُفّہ کو بلا لاؤ راوی کہتے ہیں کہ اہلِ صفہ مہمانانِ اسلام تھے۔ ان کا نہ تو کوئی گھر تھا نہ در

جب آپ کے پاس کوئی صدقہ وغیرہ آتا تو ان کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں سے کچھ نہ کھاتے اور جب آپ کے پاس ہدیہ آتا آپ انہیں بلا بھیجتے خود بھی تناول فرماتے اور انہیں بھی شریک کرتے مجھے اس وقت ان کی طلبی بہت بُری لگی میں نے دل میں کہا کہ یہ دودھ ہی کتنا ہے جو تمام اہلِ صفہ کو بلایا جا رہا ہے اس کا تو میں ہی زیادہ حق دار تھا۔ کہ اس کے چند گھونٹ پی کر ذرا قوت حاصل کرتا۔ جب وہ حضرات آ گئے تو مجھے ہی آپ نے ساقی گری کی خدمت تفویض فرمادی اور مجھے امید نہیں تھی کہ ان سے بچ رہنے کے بعد مجھ تک بھی نوبت پہنچے گی اور اللہ اور اللہ کے رسول کی فرمانبرداری کے سوا چارہ بھی کوئی نہ تھا۔ میں ان کے پاس آیا اور انہیں بلا کر لے گیا۔ انہوں نے اندر آنے کی اجازت مانگی جو دے دی گئی سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو آپ نے فرمایا اَبَا ہِر میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ فرمایا لو انہیں پلاؤ میں نے پیالہ لے لیا اور ایک ایک کو دینے لگا وہ سیر ہو کر پی لیتا تو پیالہ مجھے پکڑا دیتا میں میں پھر دوسرے کو دے دیتا وہ بھی سیر ہو جاتا تو پیالہ واپس میرے پاس آ جاتا اور میں تیسرے کو دیتا اسی طرح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا۔ اور لوگ سب پی پی کے سیر ہو چکے تھے۔ آپ نے پیالہ میرے ہاتھ سے لے لیا

اور اپنے دستِ مبارک پر رکھا اور میری طرف دیکھ کے مسکرائے پھر فرمایا
اے اباہرؓ میں نے عرض کیا لبیک یارسول اللہ فرمایا میں اور تو ہی رہ گئے
میں نے کہا یارسول اللہ آپ سچ فرمارہے ہیں آپ نے
فرمایا بیٹھ جا اور پی میں بیٹھ گیا اور پینے لگا جب میں پی چکا تو فرمایا اور پی میں نے
پھر پیا آپ نے پھر فرمایا اور پی آپ یہاں تک اصرار کرکے پلاتے رہے کہ
مجھے کہنا پڑا اس ذاتِ پاک کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اب
تو پیٹ میں جانیوالی نالیاں بھی پُر ہو چکی ہیں اس لئے میں نہیں پی سکتا آپ نے
فرمایا اچھا لاؤ مجھے دے میں نے پیالہ آپ کے حوالہ کر دیا آپ نے الحمد للہ اور
بسم اللہ پڑھ کر بقایا دودھ نوش فرمالیا۔

اس حدیثِ پاک سے اصحابِ صفہ کے گزر اوقات کی انتہائی تنگی کے علاوہ
اور بھی بہت سی باتوں پر روشنی پڑتی ہے مثلاً یہ کہ ساقی کو چاہیئے کہ سارے
حاضرین کو پلاکر آخر میں خود پئے اور کہ میزبان ساقی کے بھی بعد پیئے اور یہ کہ
بیٹھ کر پینا چاہیئے بسم اللہ الحمد للہ پڑھ کر پینا چاہیئے اور یہ کہ امیر قوم کو اپنی
ضرورت پر قوم کی ضرورت کو ترجیح دینی چاہیئے وغیرہ وغیرہ۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں میں سب سے پہلا عرب ہوں

جس نے راہ خدا میں تیر اندازی کی ہماری حالت یہ تھی کہ ہم جہاد کیا کرتے تھے جبکہ ہمارے پاس کیکر کے پتوں کے سوا کھانے کو کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اور ہم کانٹے دار جھاڑیوں کے پتے کھا کر بکریوں کی طرح مینگنیاں کیا کرتے تھے آج بنو اسد کھڑے ہو کر مجھے اسلام پر تعزیر دیتے ہیں اگر میں اتنا قدیم الاسلام ہونے کے باوجود بھی اسلامیات میں ان کا محتاج ہوں تو پھر تو میں نامراد ہو گیا۔ اور میری کوششیں رائیگاں گئیں۔

خالد بن عمیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عتبہ بن غزوان کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا وہ کہہ رہے تھے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے ساتواں شخص تھا ہمارے پاس کھانے پینے کو کچھ نہیں تھا سوائے درخت کے پتوں کے اور یہ پتے کھانے نے ہمارے منہ چھل گئے تھے۔

یحییٰ بن السعیدؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ گھی کے ساتھ لگا کر روٹی کھا رہے تھے کہ آپ نے ایک جنگلی بدو کو بلا کر اپنے ساتھ شریک کر لیا وہ جب کھانے لگا تو پلیٹ پر لگی ہوئی چکناہٹ کو لقمہ کے ساتھ رگڑ رگڑ کے اتارنے لگا حضرت نے اس سے پوچھا کہ معلوم ہوتا ہے تجھے ہمیشہ روکھی سوکھی روٹی ملتی ہے اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے گھی کبھی نہیں کھایا اور نہ سالہا سال سے کسی کو گھی کے ساتھ

روٹی کھاتے ہوئے دیکھا ہے حضرت عمرؓ نے اس کی باتوں سے متاثر ہو کر فرمایا
میں بھی اس وقت تک گھی نہیں کھاؤں گا جب تک کہ بارش ہو کر قحط سالی دور
نہیں ہو جاتی۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا جبکہ وہ امیر المومنین
بھی بن چکے تھے آپ کو کھجوروں کا ایک صاع ملتا تھا۔ آپ اسے کھاتے تھے
حتیٰ کہ اس کی ردی اور سوکھی ہوئی کھجوریں بھی نہیں چھوڑتے تھے)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کبار کی تنگدستی کے یہ
چند واقعات میں نے اس امید پر نقل کر دیئے ہیں کہ شاید ہم میں سے کسی روح
سعید کو ان مقدسین کا اتباع کرنے کی توفیق نصیب ہو اور وہ بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ
علیٰ کُلِّ حَالٍ کہتے ہوئے اپنی طاقت بھر حق کی آواز بلند کرنے اور دین کا پیغام
گھر گھر پہنچانے کے لئے ہر طرح کی مصیبتوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کرنے
کے لئے تیار ہو جائے۔

وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ
الْعَظِيْمِ ۝

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سالن اور دوسری مرغوبات

حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سرکہ بہترین سالن ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم لوگ اپنے من پسند کھاجے نہیں کھاتے اور جیسا چاہتے ہو پانی نہیں پیتے حالانکہ میں نے تمہارے پیغمبر کو دیکھا ہے کہ انہیں ردی قسم کی کھجوریں بھی اتنی نہیں ملتی تھیں جن سے ان کا پیٹ بھر جائے۔

زہدم جرمی کہتے ہیں کہ ہم ابو موسیٰ اشعریؓ کے مہمان تھے۔ آپ کے سامنے مُرغی کا گوشت لایا گیا تو حاضرین میں سے ایک آدمی پیچھے کھسک گیا۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے کہنے لگا میں نے مرغی کو گندی چیز کھاتے دیکھا ہے اس لئے میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ اس کا گوشت نہیں کھاؤں گا۔ آپ نے فرمایا دسترخوان پہ آجا کہ میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغی کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔

یعنی تیری طبیعت کی کراہت خلافِ شریعت ہے اس لئے مرغی تو کھالے

اور قسم ٹوٹنے کا کفارہ دے دینا۔

حضرت ابو اسیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زیتون کا تیل کھاؤ بھی اور لگاؤ بھی اس لئے کہ وہ خدا کے فرمان کے مطابق بابرکت درخت کا تیل ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے سالنوں کا سردار نمک ہے

اس لئے کہ ہر طرح کے سالن ترکاریاں نمک کے بغیر تو بالکل ہی بے مزہ ہیں ہرن یا بٹیر کا نہایت بہترین گوشت بھی نمک نہ ڈالا جائے تو اس کی ایک بوٹی کھا لینا بھی دوا کھانے کے مترادف ہے نیز نمک کی یہ بھی خوبی ہے کہ اسے اکیلے ہی پیس کر روٹی پر چھڑک لیں تو روٹی بسہولت حلق سے اتر جاتی ہے اس کے بغیر روٹی کا ایک لقمہ بھی نگلنا مشکل ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ ہی کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو بہت مرغوب تھا۔ آپ کے سامنے کھانا لایا گیا تو میں برتن میں سے تلاش کر کے کدو کے قتلے آپ کے سامنے رکھتا جاتا تھا کیونکہ مجھے علم تھا کہ آپ کو کدو بہت پسند ہے۔

حضرت انس رضؓ ہی بیان فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی میں بھی آپ کے ساتھ دعوت پر گیا اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو کی روٹی اور کدو گوشت کا شوربہ پیش کیا میں نے دیکھا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیالے کی ہر طرف سے کدو کے قتلے تلاش کر کے نکال رہے تھے بس اس دن سے مجھے بھی کدو بے حد مرغوب ہو گیا۔

حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بھی زیادہ محبت تھی جتنی روایتی عاشقوں کو اپنے معشوقوں کے ساتھ ہوتی ہے اس لئے وہ اپنے محبوب آقا کی ہر حرکت اور ادا کی نقل اتارنے اور آپ کی ہر سنت کی اتباع کرنے میں لذت محسوس کرتے تھے۔ اس لئے حضرت انس رضؓ کو کدو ہمیشہ کے لئے مرغوب ہو گیا۔ کہ ان کے آقا کا مرغوب کھانا جو تھا۔ علماء نے اس مقام پر یہ مسئلہ لکھا ہے کہ کدو چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی مرغوب تھا۔ اس لئے کسی مسلمان کو یہ مناسب نہیں کہ وہ مقابلے میں یہ بات کہے کہ میں تو کدو کو ناپسند کرتا ہوں ورنہ ایمان ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے حضرت امام ابو یوسفؒ نے تو ایسے شخص کے متعلق قتل کا فتوی ہی دے دیا تھا کیونکہ آپ کے نزدیک وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کو ناپسند کہنے کی

وجہ سے مرتد ہو گیا تھا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حلوا اور اور شہد کو بہت پسند فرماتے تھے

اس لفظ حلوا ء سے ہمارے زمانے کا مروج حلوہ مراد نہیں بلکہ لفظ حلواً عربی زبان میں ہر میٹھی چیز کو کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کو ہر میٹھے والی چیز پسند تھی۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے لکھا ہے کہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حلوہ حضرت عثمان رضؓ نے بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند فرمایا یہ حلوہ آٹے شہد اور گھی سے بنایا گیا تھا شکر کا اس زمانہ میں کچھ ایسا دستور نہ تھا اس لئے میٹھی چیز عموماً شہد یا کھجور سے بنائی جاتی تھی۔

حضرت ام سلمہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بکری کا بھنا ہوا دست پیش کیا آپ نے اس میں سے کھایا اور نیا وضو کئے بغیر کھڑے ہو کر نماز پڑھ لی

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا جیسے امام الائمہ حضرت ابو حنیفہ رحؒ کا مذہب ہے۔

حضرت عبداللہ بن حارث رضؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بھنا ہوا گوشت کھایا

تو گویا مسجد میں کھانا پینا جائز ہے بشرطیکہ اس کے ریزے مسجد کے فرش پر نہ گریں اسی طرح پینے کی چیز فرش مسجد پر نہ ٹپکے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضؓ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی کا مہمان ہوا۔ آپ کے سامنے بھنا ہوا ہاتھ پیش کیا گیا آپ چھری لے کر اس میں سے میرے لئے کاٹنے لگے اسی اثنا میں نماز کی اطلاع دینے کیلئے حضرت بلال رضؓ آ گئے آپ چھری رکھ کر نماز کے لئے چل دیئے اور ناگواری سے فرمایا۔ اس کے ہاتھوں پر مٹی پڑے اسے کیسے وقت سوجھی ہے

ف
چونکہ بھوک کی وجہ سے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مشتاق تھی اور کھانے کی چیز بھی بڑی مرغوب تھی۔ اس لئے ذرا ناگواری کا اظہار فرمایا ایسے وقت میں خادم کے لئے مناسب یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرا کچھ کھا لینے دیتا۔ پھر نماز کی اطلاع کرتا کیوں کہ نماز کون سی قضا ہو رہی تھی مسئلہ بھی یہی ہے کہ جب شدت کی بھوک لگ رہی ہو اور جماعت بھی تیار ہو تو پہلے کھانا کھا لے تاکہ اس کا کھانا بھی نماز بن جائے کیونکہ کھانے

کے دوران اسے نماز کا خیال رہے گا اور جماعت چھوڑ دے تاکہ اس کی نماز کھانا نہ بن جائے کہ نماز میں کھانے کے متعلق سوچتا رہے چھری سے کاٹنے کی نوبت اس لئے آئی کہ آپ بوٹی توڑ کر حضرت مغیرہؓ کو دینا چاہتے تھے گوشت ذرا سخت ہوگا جو ہاتھ سے ٹوٹ نہ سکتا ہو۔ اس لئے چھری سے کاٹ کر ان کو دینے لگے۔ اگر آپ نے خود کھانا ہوتا تو چھری سے ہرگز نہ کاٹتے بلکہ دانتوں سے نوچتے جیسا کہ اگلی حدیث میں صراحۃً آرہا ہے کوئی کج طبع اس سے چھری کانٹے سے کھانا مراد نہ لے لے کیونکہ چھری سے آپ نے کاٹا ضرور ہے کہ بہت بڑا ٹکڑا تھا لیکن کھایا ہاتھ سے ہے مگر چھری کانٹے کے شائق تو منہ میں بھی کانٹے سے ڈالتے ہیں گویا خود ہی اپنے ہاتھوں کو جراثیم زدہ اور منحوس سمجھنے لگ جاتے ہیں اس لئے کسی بھی طرح یہ ان کی دلیل نہیں بن سکتی آپ اپنے ہاتھوں سے کھانے کو باعثِ تبرک سمجھتے تھے۔ اسی لئے تو بعد میں اپنی انگلیوں کو تین دفعہ چاٹتے تھے اور یہی آپ کی سنتِ مستمرہ ہے۔

حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ اس وقت میری مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں آپ نے فرمایا میں مسواک پر رکھ کر تیری مونچھیں کتر دیتا ہوں۔

یعنی لبوں کے برابر بالوں کے نیچے مسواک رکھ کر اوپر سے چاقو یا چھری

دباکرتری مونچھیں کاٹ دیتا ہوں اغلب یہ ہے کہ اس وقت قینچی مہیا نہیں ہوسکتی ہوگی اس لئے چھری یا چاقو سے کاٹنے کی یہ ترکیب نکالی۔

پیروں کی ذمہ داری :-

معلوم ہوا کہ اپنے زیر اثر لوگوں یا عزیزوں اور خادموں میں کوئی شخص خلافِ شریعت کوئی کام کرتا ہو تو اس کو زبردستی شریعت کی راہ پر لانا ذی اثر اور بزرگ کا فرض ہے ہمارے زمانے کے تساہل پسند اور جاہ پرست پیروں کی طرح نہیں کہ حلقۂ مریدین میں اضافے کے شدت سے خواہاں ہوں خواہ مریدین داڑھی منڈائیں مونچھیں بڑھائیں نمازیں ضائع کریں احکام شریعت کی خلاف ورزی کریں پیر صاحب کو صرف نذرانے بٹورنے اور پاؤں چھوانے سے کام ہو لیکن شکل وصورت لباس پوشاک عبادت ومعاشرت اور اخلاق ومعاملات میں مریدوں پر کوئی روک ٹوک نہ کریں پیر تو ہادی ومرشد ہوتا ہے اگر وہ مرید کے بھٹکنے کے وقت اس کی رہنمائی نہ کرے اسے ہدایت نہ دے تو وہ پیر کس کام کا ہے وہ تو صرف ٹھگ ہے جس نے جیبیں کاٹنے کا مہذب طریقہ اختیار کر رکھا ہے ایسے پیرانِ کرام کو کچھ تو خوفِ خدا کرنا چاہیئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے الا کُلُّکُمْ راعٍ وَّکُلُّکُمْ مسئول عن رعیتہٖ۔ تم میں ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں اور زیر دستوں کے متعلق پوچھا جائے گا کہ تو نے اس کی کیا رہنمائی کی تھی۔ اور کہاں تک اسے دینی معلومات بہم پہنچائی تھیں۔

دیگروں سے زیادہ اپنے ماتحتوں پر کس کا اثر ہوتا ہے اس لئے اپنے متعلقین کی اصلاح کے سلسلہ میں سب سے بڑی ذمہ داری پیرانِ عظام پر عائد ہوتی ہے پھر اپنے شاگردوں کے متعلق اساتذۂ کرام پر پھر اپنے ماتحتوں کے متعلق حکام پر پھر اپنے نوکروں کے متعلق مالکوں پر اسی طرح اپنی اولاد کے متعلق ماں باپ پر اور اپنی بیوی کے متعلق خاوند پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان کی ہر ممکن اصلاح کریں ان کی دینی تربیت کا خیال کریں انہیں مذہبی معلومات مہیا کریں قرآن پاک اور احادیثِ رسول پڑھائیں نماز روزہ اور زکوٰۃ کی ان سے پابندی کرائیں۔ علیٰ ہذا القیاس ہر مسلمان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے متعلقین اور زیر دست افراد کی مذہبی لحاظ سے مکمل رہنمائی اور پوری نگرانی کرے ورنہ قیامت کے دن وہ خداوندِ عالم کے مؤاخذہ سے نہیں بچ سکے گا۔ اے اللہ ہم سب کو تو اس کی توفیق عطا فرما۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کے لئے گوشت لایا گیا اور ہاتھ کا ٹکڑا اٹھا کر آپ کو دیا گیا۔ آپ اپنے دندانِ سے اسے نوچ نوچ کر کھانے لگے کیونکہ آپ کو ہاتھ کا گوشت بہت بھاتا تھا۔

حضرت ابو عبیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہانڈی پکائی چونکہ آپ کو دستی بہت پسند تھی اس لئے ایک دستی میں نے آپ کو پکڑا دی آپ نے وہ کھا کر فرمایا لاؤ دستی میں نے دوسری بھی دے دی آپ نے پھر فرمایا لاؤ دستی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ بکری کی دستیاں کتنی ہوتی ہیں (یعنی دو ہی تو ہوتی ہیں جو میں آپ کو پیش کر چکا ہوں) آپؐ نے فرمایا اللہ کی قسم اگر تو خاموشی کے ساتھ مجھے دستیاں دیتا جاتا تو میں جتنی دفعہ مانگتا اتنی دستیاں اس ہانڈی میں سے نکل آتیں)

کوئی شخص اس سے آپ کو کھانے کا زیادہ حریص نہ سمجھ لے اس لئے کہ اس وقت تو آقائے دو جہاں کو یہ معجزہ دکھانا مقصود تھا۔ کہ رسولوں کو مبعوث کرنے والا خدا اپنے رسولوں کی دلداری اور ان کی چاہت پوری کرنی کے لئے بعض دفعہ بالکل خلافِ قیاس اور انہونی باتیں بھی صادر کر دیتا ہے وہ ایک ہانڈی سے بکری کے بیسیوں ہاتھ نکال سکتا ہے وہ ایک پیالہ دودھ سے

سینکڑوں کو سیراب کرسکتا ہے اور وہ آپ کے دست مبارک سے پانی نکال کر ایک لشکرِ جرار اور اس کی سواریوں کی پیاس بجھا سکتا ہے مگر افسوس کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے ذرا جلد بازی سے کام لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر دیا جس سے بنا بنایا کھیل بگڑ گیا اور معجزے کا ظہور ہوتے ہوتے رہ گیا۔

حضرت اُمِّ ہانیؓ آپ کی چچازاد بہن فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کیا تیرے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے میں نے عرض کیا نہیں البتہ ایک سوکھی روٹی اور سرکہ رکھا ہے آپ نے فرمایا جس گھر میں سرکہ موجود ہو وہ سالن سے خالی نہیں کہلاتا

آپ کی شکرگزاری اور دوسروں کی دلداری کی انتہا ہے کہ روکھی سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا پاکر غیر معمولی مسرت کا اظہار کر رہے ہیں اور اپنی میزبان کی دلداری کے لئے فرماتے ہیں کہ ماشاء اللہ تمہارا گھر تو خوشحال ہے الحمد للہ کوئی نادار نہیں

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جہاں تعلقات بے تکلف ہوں وہاں فرمائش کر کے کوئی چیز کھا پی لینے میں کوئی حرج نہیں یہی مضمون قرآنِ پاک کی آیت لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ الخ میں بیان ہوا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا بھر کی عورتوں پر عائشہ رضؓ کی فضیلت ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔

عرب میں ثرید کو بہترین کھانا سمجھا جاتا تھا۔ کیونکہ لذیذ ہونے کے علاوہ انتہائی زود ہضم بھی ہے یہ شوربے میں روٹی کے ٹکڑے بھگو کر بنا لیا جاتا ہے تو جس طرح اہلِ عرب کے ہاں دنیا کا کوئی دوسرا کھانا ثرید کا مقابلہ نہیں کر سکتا اسی طرح سارے جہان کی عورتیں فضیلت و عظمت میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اور حضرت عائشہ رضؓ کی یہ فضیلت محض اس لئے نہیں کہ وہ آپ کی محبوب بیوی تھیں بلکہ ان کا فضل و کمال ان کا علم و بصیرت اور دقیق فقہی مسائل میں ان کی نکتہ آفرینیاں ہر پڑھنے سننے والے کو اس پر مجبور کر دیتی ہیں کہ وہ حضرت عائشہ رضؓ کی فضیلت و عظمت کا معترف ہو اور یہ ایک ایسا شرف ہے جو آپ کے سوا دنیا کی کسی عورت کو حاصل نہ ہو سکا تو گویا حضرت عائشہ رضؓ کی فضیلت اسی نسبت کے لحاظ سے ہے لہٰذا اُمّ المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضؓ اور جگر گوشۂ رسول صلعم

حضرتِ فاطمۃ الزہرا رضؓ کے ساتھ تقابل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی فضیلتیں دوسری نسبتوں کے لحاظ سے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پنیر کا ایک ٹکڑا کھا کر وضو فرمایا پھر دیکھا تو بکری کی دستی کھا کر بھی وضو نہ فرمایا۔

معلوم ہوتا ہے کہ پنیر کھانے سے پہلے ہی آپ بے وضو ہو چکے تھے اس لئے بعد میں وضو فرمایا کیونکہ ہمہ وقت باوضو رہنا آپ کی عادتِ شریفہ تھی اور گوشت کھاتے وقت آپ کا سابقہ وضو برقرار تھا۔ اس لئے جدید وضو کرنے کی ضرورت نہ سمجھی کیونکہ گوشت کھانے سے کوئی وضو ٹوٹ تو نہیں جاتا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیوی سیدہ صفیہ رضؓ کا ولیمہ ستو اور کھجور سے کیا۔

سبحان اللہ کیسا سادہ نکاح اور کیسا بے تکلف ولیمہ ہے آج کل تو ہمارے نکاح ولیمے ختنے اور خوشی کی دیگر تقریبات ہمارے لئے مصیبت بنی ہوئی ہیں ایک معمولی سی تقریب پر صاحب گنجائش گھرانے فضول خرچی کی حدیں توڑ کر خدا اور رسول کو ناراض کرتے ہیں اور غریب و نادار لوگ قرض لے لے کر ناجائز

رسم و رواج کرتے اور جھوٹی مالداری کا رعب جماتے ہیں۔ کاش کہ مسلمان آج پھر اس سادگی کی طرف لوٹ جائیں اور تقریبات میں ناجائز تکلفات ترک کر دیں تو خدا کی قسم ہماری یہی دنیا جنت کا نمونہ بن جائے۔ ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد　　کسے را با کسے کارے نہ باشد

حضرت امّ منذرؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے غریب خانہ پر تشریف لائے آپؐ کے ساتھ حضرت علیؓ بھی تھے۔ ہمارے گھر میں کھجور کے خوشے ٹنگے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ اس میں سے لے کر کھانے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علیؓ ذرا توقف کرو اس لئے کہ تم ابھی ابھی بیماری سے اٹھنے کی وجہ سے کمزور ہو حضرت علیؓ تو چپکے بیٹھ گئے اور حضور علیہ السلام کھاتے رہے امّ منذرؓ کہتی ہیں کہ پھر میں نے تھوڑے سے جَو اور چقندر لے کر پکائے حضور علیہ السلام نے فرمایا اے علیؓ لو یہ کھاؤ یہ تمہاری حالت کے موافق ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لاتے اور پوچھتے کوئی ناشتہ کی چیز ہے میں جواب دیتی نہیں آپ فرماتے تو پھر میں روزہ رکھ لیتا ہوں ایک دن اسی طرح تشریف لائے تو میں

نے کہا یا رسول اللہ ایک ہدیہ آیا ہوا رکھا ہے آپ نے پوچھا کیا چیز ہے میں نے کہا حیس ہے (ایک قسم کا حلوہ جو گھی پنیر اور کھجوروں سے بنایا جاتا تھا) آپ نے فرمایا میں نے تو روزہ کا ارادہ کر لیا تھا تاہم آپ نے اس میں سے کچھ کھا لیا اور نفلی روزہ توڑ دیا۔

غالباً بعد میں اس کی قضا دے دی ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جَو کی روٹی کا ٹکڑا لے کر اس پر کھجور رکھ لی اور فرمایا یہ اس کا سالن ہے۔

گویا روٹی پیٹ میں اتارنے کے لئے لمبے چوڑے تکلفات کی کوئی ضرورت نہیں موقع کے مطابق جس طرح بسہولت کھانا حلق سے اتارا جا سکے اتار لے۔ اسی طرح کھجور کے ساتھ جب روٹی کھائی جا سکتی ہے تو تکلف کر کے وقت اور پیسہ کیوں ضائع کیا جائے اس کی بجائے یہی پیسہ کسی کارِ خیر میں لگایا جائے تو آخرت کا ذخیرہ بن جائے اسی وقت میں کوئی نیکی کی جائے تو خدا کی رضامندی حاصل ہو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہانڈی اور پیالے کی تلچھٹ یا نیچے کا بچا ہوا کھانا بہت مرغوب تھا۔

مرغوب ہونے کے علاوہ اس میں یہ حکمت بھی ملحوظ ہوگی کہ خلق نبوت کا مظاہرہ کرنے کے لئے پہلے دوسروں کو کھلانے کا موقع مل جاتا تھا۔ بعد میں بچا کھچا صبر و شکر کے ساتھ خود نوش فرما لیتے۔

عبدالعزیز بن صہیب رضؓ نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ لہسن کے بارے میں آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو اسے کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے

غالباً اس سے کچا مراد ہوگا کیونکہ اس کی بدبو ناگوار ہوتی ہے جس سے نمازیوں اور فرشتوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے اس لئے آپ نے منع فرما دیا کہ تازہ اور کچا لہسن کھا کر مسجد میں نہ آؤ۔

معدان بن ابی طلحہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جمعہ کے دن خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا اے لوگو! تم دو ایسی چیزیں کھاتے ہو جنہیں میں تو خبیث ہی سمجھتا ہوں یہ لہسن اور پیاز ہیں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیکھتا تھا۔ اگر کسی شخص کے منہ سے ان چیزوں کی بو آرہی ہوتی تو اس کا ہاتھ پکڑ کے مسجد سے نکالا اور بقیع میں پہنچا دیا

دیا جاتا تھا۔ پس جس شخص نے یہ چیزیں ضرور کھانا ہوں اسے چاہیئے کہ اچھی طرح پکا کر کھائے (کیونکہ زیادہ پکنے سے ان کی بدبو جاتی رہتی ہے)

حضرت امّ ایوبؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانا پکایا اس میں کوئی بدبودار سبزی بھی تھی (غالباً وہ پیاز ہوگا) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں اپنے صاحب کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔

صاحب سے مراد حضرت جبریلؑ ہیں یا عام صحابہ کرامؓ یا اہلِ خانہ۔ کیونکہ بدبو سے ہر ایک کو تکلیف ہوتی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ ہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام مرالظہران میں پیلو توڑ رہے تھے آپ نے فرمایا کالے کالے توڑو وہ بہت عمدہ ہوتے ہیں اس وقت کسی نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ نے بکریاں بھی چرائی ہیں آپ نے فرمایا کوئی بھی نبی ایسا نہیں جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔

بکریاں چرانے کی حکمت :-

نبی کو نبوت کے جس بارِ گراں کے لئے قدرت تیار کر رہی ہوتی ہے

اس لئے بہت بڑے حوصلے اور اعلیٰ درجے کی بردباری کی ضرورت ہے غالباً یہی صفت پیدا کرنے کے لئے انبیاء سے بکریاں چرائی گئیں کیونکہ بکری ایک ایسا سیماب صفت جانور ہے کہ یہ ایک جگہ ٹھہر کے نہیں چر سکتی کبھی ادھر بھاگتی ہے کبھی اُدھر کبھی یہاں منہ مارتی ہے کبھی وہاں جسے دیکھ کر چرواہے کو بے حد غصہ آتا ہے اس وقت اگر وہ تحمل سے کام نہ لے تو بکریوں کا نقصان کر بیٹھے کیونکہ نازک طبعی کی وجہ سے یہ مار تو ذرا بھی برداشت نہیں کر سکتیں تو گویا بکریوں کی چرائی تحمل و بردباری کے ایک کورس کے طور پر انبیاء علیہم السلام سے کرائی گئی تاکہ آگے چل کر وہ ساری انسانیت کو چرانے اور ان کی نگہبانی کرنے کے قابل ہو سکیں۔

حضرت جابرؓ ہی سے پوچھا گیا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضوء ضروری ہوتا ہے آپ نے فرمایا نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو ہمیں ایسی چیزیں بہت کم ملتی تھیں اور جب ملتیں تو پھر ہمارے پاس رومال تو ہوتے نہ تھے جن کے ساتھ فراغت کے بعد ہاتھ پونچھ لیتے بس یہی ہتھیلیاں کلائیاں اور پاؤں کے تلوے ہوتے تھے۔ جن پر مل ملا لیتے تھے۔ گویا کھانے کے بعد ہاتھ دھونے اور رومال سے پونچھنے کی گنجائش ہے۔

ہاتھوں کو مل ملا لیتے کا فعل تو یہ امرِ مجبوری تھا جس کا اظہار حضرت جابرؓ کے طرزِ بیان سے ہو رہا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا خادم کھانا لے کر آئے تو اسے اگر اپنے ساتھ نہ بٹھا سکے (کھانے کی کمی کی وجہ سے یا کسی اور بنا پر) تو ایک دو لقمے اسے پکڑا دے کیونکہ اس نے آگ کی گرمی اور پکانے کی تکلیف برداشت کی ہے۔

یعنی اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ خادم اور نوکر کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے اگر کسی عذر کی وجہ سے ساتھ بٹھانے کی گنجائش نہ ہو تو کم از کم اسے کلیتہً تو محروم نہ رکھے بلکہ کچھ نہ کچھ اس کے ہاتھ پر دھر دے تاکہ اس کی دلداری ہو جائے۔

اسلامی مساوات :-

سبحان اللہ یہ صحیح اسلامی مساوات ہے کہ آقا اپنے نوکروں کے ساتھ مساوی سلوک کرے اور کھاتے وقت اپنے برابر دسترخوان پر بٹھائے آجکل اسلامی سوشلزم اور مساواتِ محمدی کے نعرے لگانے والوں سے یہ توقع کہاں کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے نوکروں ماتحتوں اور خادموں کو اپنے برابر دسترخوان

پر بٹھائیں اور اپنے پہلو بہ پہلو ان مزدوروں کو جگہ دے کر ان کے احساسِ آدمیت کو بلند کریں تاکہ وہ بھی اپنے آپ کو ملک کے صدر اور صوبے کے گورنر جیسا ایک انسان سمجھنے لگیں ہم نے طبقہ داری کے بیج اتنی گہرائی میں جاکر بوئے ہیں کہ اب ان کے اکھاڑ پھینکنے کی کوئی سبیل ہی نظر نہیں آتی ہم نے عدالتوں کچہریوں اور دفتروں میں کرسی نشینوں کو اتنا بلند کر دیا ہے کہ اگر کوئی سائل دروازے کی چک اٹھا کر جھانک لینے کی بھی حرکت کرلے تو یا تو اپنے آپ اس کی پگڑی ـــــ گر جائے گی۔ اور یا پھر صاحب سے بھی زیادہ صاحب اردلی اس کی پگڑی اچھال دیں گے کہ تم نے یہ جرأت و جسارت کیوں کی کہ صاحب بہادر کی چک کو ہاتھ لگا دیا اس زمانے میں صحیح اسلامی مساوات کا مظاہرہ کرنے کی اگر توفیق ہوئی تو سرحد کے درویش وزیرِ اعلیٰ قاسم العلوم ملتان کے شیخ الحدیث جمعیت علماء اسلام کے معزز رہنما حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہٗ کو جن کے متعلق اخبارات نے لکھا کہ جب پشاور کے کسی ہوٹل میں انہوں نے بعض غیر ملکی مہمانوں کی میزبانی فرمائی تو اپنے اور مہمان پارٹی کے ڈرائیوروں کو بھی اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا لیا یہ بات ہوٹل کی انتظامیہ کے لئے ایک حادثے اور غیر ملکی مہمانوں کے لئے کسی اچنبھے سے کم نہ تھی کہ وقت کا وزیرِ اعلیٰ اپنے ڈرائیوروں اور نوکروں کو

برابر بٹھا کے کھلاتا ہے اگر علوم اسلامی پر ان لوگوں کی نظر بن بھی گہری نہ ہوتیں اور اگر اسوۂ نبوت کی محبت ان کے دلوں میں رچ بس گئی نہ ہوتی تو ان سے بھی یہ توقع نہ کی جا سکتی تھی کہ طبقہ داری کے اس دور میں سنتِ نبویؐ کے مطابق بندہ و آقا اور ایاز و محمود کے درمیان حائل ہونے والی دیواروں کو ڈھا سکیں۔ ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اُمّ المومنین حضرت عائشۃ الصدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز کی تکبیر کہہ دی جائے اور ادھر کھانا بھی حاضر ہو تو پہلے کھانا کھا لو پھر نماز پڑھو۔

یعنی اگر کھانے کی شدید خواہش ہو اور جماعت کا وقت بھی ہو جائے تو پہلے کھانا کھا لینا بہتر ہے تاکہ نماز میں کھانے کا دھیان نہ آتا رہے بلکہ اس کے برعکس اگر کھانے میں نماز کا خیال آ گئے تو کھانا بھی نماز بن جائے لیکن یہ رخصت اس وقت ہے جب دل میں کھانا ہی کھانا سمایا ہوا ہو اور اگر خواہش اتنی شدید نہیں تو نماز ہی پہلے پڑھنا بہتر ہے۔

میزبانی اور کھلانے پلانے کی خیر و برکت :-

ہم لوگ دوستوں مہمانوں یا حاجت مندوں اور فقیروں کو کھلانے سے اس لئے کتراتے ہیں کہ ہمارے خیال میں اس طرح بجٹ میں کمی آجائے گی لیکن فرمانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق مہمانوں یا حاجت مندوں کو کھلانا بجٹ میں کمی کی بجائے رزق میں خیر و برکت کا باعث ہے اسی لئے شیخ سعدی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں تو مہمان کو کھلانے میں تنگ دل کیوں ہو رہا ہے وہ تو اپنا رزق ساتھ لے کر آتا ہے اور خیر و برکت تیرے گھر میں چھوڑ جاتا ہے اسی بنا پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مستقل عادت تھی۔ کہ جب تک کوئی ساتھی یا مہمان ان کے دسترخوان پر نہیں آجاتا تھا وہ کھانا نہیں کھاتے تھے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کھانے کی بجائے دوسروں کو کھلا کر بہت خوش ہوا کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی ذات اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ اپنے مہمان کی لازماً عزت کرے اور جو شخص اللہ اور روزِ قیامت پر یقین رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ

اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ بولے تو نیکی کی بات کہے ورنہ خاموش رہے۔

گویا ایماندار شخص ان تین صفات سے خالی نہیں ہونا چاہیئے مومن ہو اور مہمان کی عزت نہ کرے مومن ہو اور اپنے پڑوسی کو تکلیف پہنچائے مومن ہو اور بیہودہ بکواس کرے یہ کبھی نہیں ہو سکتا اور اگر وہ ان ممنوعات کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ درحقیقت مومن ہی نہیں اس کی زبان پر تو اسلام ہے لیکن دل میں ایمان نہیں۔

حضرت ابو شریح کعبی رض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی ذات اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ اپنے مہمان کی تکریم کرے مہمان کا واجبی انعام تو ایک دن رات ہے اور مہمانی تین دن ہے اور اس کے بعد صدقہ ہے اسی طرح مہمان کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ اس کے پاس ڈیرے ہی ڈال کر بیٹھ جائے حتیٰ کہ میزبان تنگ آ جائے۔

شریعتِ محمدی کا یہ امتیازی وصف ہے کہ وہ ہر معاملے کے دونوں پہلو نظر میں رکھ کر حکم لگاتی ہے گویا تصویر کے دونوں رُخ دیکھ کر اس کے حسن و قبح کا

فیصلہ کرتی ہے زبانِ نبوت نے جہاں مہمان کے حقوق میزبان کو بتلائے ہیں وہیں مہمان کو بھی تنبیہ کر دی کہ وہ میزبان کی گنجائش سے زیادہ اس کے پاس ٹھہر کر اس کے لئے ناقابلِ برداشت بوجھ نہ بن جائے ورنہ ایسے بوجھ کو اتار پھینکنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا مبادا ایسا ہو کہ گھر والے تنگ آ کر اسے دھتکار دیں اس طرح اپنی عزت اور ان کی خدمت برباد کرنے کا سبب بنے۔

حقوق العباد کی اہمیّت :۔

ابوجحیفہ رضؓ کہتے ہیں کہ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان اور ابودرداء کے درمیان مواخات کرا دی ایک دفعہ سلمان حضرت ابودرداء کو ملنے کے لئے آئے تو اپنی بھاوج یعنی ابودرداء کی بیوی کو میلے کچیلے لباس میں پریشان حال دیکھا تو پوچھا بہن تو نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے وہ کہنے لگیں تمہارے بھائی کو تو دنیا داری والے کام کی کوئی ضرورت ہی نہیں تو پھر میں بنوں سنوروں تو کس کے لئے اتنے میں ابودرداؓ بھی آ گئے اور انہوں نے حضرت سلمانؓ کے لئے کھانا تیار کیا اور فرمایا آپ کھائیں میں تو روزہ سے ہوں حضرت سلمانؓ نے کہا میں بھی اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک کہ آپ نہیں کھاتے مجبوراً ابودرداءؓ

نے ساتھ کھالیا جب رات ہوئی تو حضرت ابو درداؓ شب زندہ داری اور عبادت گزاری کے لئے جانے لگے حضرت سلمان نے کہا ابھی سو جاؤ وہ سو گئے پھر تھوڑی دیر بعد اٹھنے لگے سلمانؓ نے پھر منع کیا جب رات کا آخری حصہ آگیا تو حضرت سلمانؓ نے فرمایا اب اٹھو پس دونوں نے نماز تہجد پڑھی اور حضرت سلمانؓ نے فرمایا اے ابو درداؓ تیرے رب کا تیرے اوپر حق ہے تیرے نفس کا تیرے اوپر حق ہے اور تیری بیوی کا تیرے اوپر حق ہے پس ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو صبح حضرت سلمانؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رات کا سارا ماجرا بیان کیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمانؓ نے بالکل سچ کہا ہے یعنی حقوق کی خدا، نفس اور بیوی کے درمیان جو تقسیم کی ہے وہ بالکل صحیح ہے میں بھی اس کی تصدیق کرتا ہوں گویا بیوی کے حقوق ادا کرنے کے لئے رات کا ایک حصہ تنہائی میں اس کے پاس گزارے۔ نفس کا حق ادا کرنے کے لئے رات کا کچھ حصہ سو رہے اور خدا کا حق ادا کرنے کے لئے پچھلی رات اٹھ کر نماز تہجد پڑھے اس طرح ہر حق دار کے حق کی ادائیگی کرے تبھی سرخرو ہو سکے گا ورنہ صرف عبادت و ریاضت کر کے اپنے اہل و عیال کے حقوق کے مطالبہ سے خلاصی نہیں پا سکتا آخرت میں جہاں نماز روزہ کے متعلق پوچھا جائے گا وہیں یہ بھی سوال

ہوگا کہ اے مرد تو نے اپنی بیوی کے حقوق کیوں ادا نہیں کئے اسی طرح عورت سے پوچھا جائے گا کہ تو نے اپنے خاوند کے حقوق کیوں پامال کئے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے حقوق تو معاف بھی کر سکتے ہیں مگر حقوق العباد کی معافی تو بغیر ادائیگی کے ہو ہی نہیں سکتی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھری جتنی تیزی سے اونٹ کے کوہان کی طرف جاتی ہے اس سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ خیر و برکت اس گھر کی طرف جاتی ہے جس میں لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہو۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس گھر کو مہمانوں کی کثرت نے ڈھانپ رکھا ہو اس گھر کی طرف خیر و برکت اس سے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ جاتی ہے جتنی تیزی سے چھری اونٹ کے کوہان کی طرف جاتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ فی الفور اس گھر پر اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول شروع ہو جاتا ہے کوہان کی طرف چھری جانے کا مطلب یہ ہے کہ اونٹ کو ذبح کرنے کے بعد کوہان سے اس کی کھال اتارنا شروع کی جاتی ہے تو اونٹ کے ٹھنڈا

ہوتے ہی قصاب چھریاں لے کر اس کے کوہان کی طرف بڑھتے ہیں اس میں چونکہ سرگرمی اور تیزی دکھائی جاتی ہے اس لئے برکت کے جلد آنے کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

مہمانی کے آداب :-

پچھلے عنوان میں حضرت سلمان وابو درداءؓ کی جو حکایت گزری ہے اس سے معلوم ہوا کہ آدابِ مہمانی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جہاں تک ہو سکے میزبان خود اپنے ہاتھ سے مہمان کی خدمت کرے یہ تو ادب اور مروت کے خلاف ہے کہ مہمان کو نوکروں اور خادموں کے سپرد کر کے خود جا کے سو رہے بلکہ بہترین میزبانی یہی ہے کہ مہمان کی ہر ضرورت اس سے پوچھ کر بذاتِ خود اسے پورا کرنے کی سعی کرے اس سے مہمان کو خوشی اور ایک گونا گوں مسرت حاصل ہوتی ہے مہمانوں کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ ان کے سامنے ان پر یا کسی دوسرے پر ناراضگی کا اظہار نہ کرے۔

عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کہتے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک قبیلے کی مہمانی کی جب سارے مدعوین آگئے تو مجھے فرمایا اے عبدالرحمٰن تو مہمانوں کی خبر گیری کر مجھے تو

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاتا ہے اور دیکھو میرے آنے سے
پہلے پہلے ان کو کھانا کھلا کے فارغ کر دینا حضرت عبد الرحمٰن جا کے کھانا لے
آئے اور کہا کہ شروع فرمائو وہ کہنے لگے گھر کا مالک (یعنی ہمارا میزبان) کہاں ہے
حضرت عبد الرحمٰن نے کہا آپ کھانا تو کھاؤ وہ کہنے لگے جب تک صاحب خانہ نہیں
آجاتا ہم کھانا نہیں کھائیں گے عبد الرحمٰن نے عرض کیا آپ لوگ ماحضر تناول کر
لیں اگر ان کے آنے تک آپ نے کھانا نہ کھایا تو پھر ہم سب کی خیر نہیں انہوں
نے پھر بھی انکار کیا۔ عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت ابو بکر آکر میرے
اوپر ضرور ناراض ہوں گے جب آپ تشریف لائے تو میں ڈر کے مارے ایک
طرف کھسک گیا۔ آپ نے پوچھا تم لوگ کھانا کھا چکے ہو انہوں نے سارا
ماجرا کہہ سنایا حضرت ابو بکر نے آواز دی اے عبد الرحمٰن میں چپ رہا پھر کہا
عبد الرحمٰن میں پھر بھی خاموش رہا حضرت ابو بکر کو غصہ آگیا فرمایا یا غُنثَر یعنی او
گندے یا او جاہل میں نے بھی قسم کھالی ہے کہ اگر تو سننے کے باوجود بھی نہ
آیا تو میں گھر سے چلا جاؤں گا پھر مجھے بولنا ہی پڑا میں نے کہا اپنے مہمانوں سے
پوچھو میرا کتنا قصور ہے۔ انہوں نے میری صفائی دی کہ یہ تو کھانا لایا تھا ہمیں
نے نہیں کھایا ابو بکر بولے تو پھر تم میرا انتظار کرتے رہے ہو اللہ کی قسم میں

میں بھی آج رات کھانا نہیں کھاؤں گا اس کے بالمقابل انہوں نے بھی قسم کھالی کہ جب تک تو نہیں کھائے گا ہم بھی نہیں کھائیں گے حضرت ابوبکر کو پھر کچھ احساس ہوا فرمایا میں نے آج جیسی بدترین رات کبھی نہیں دیکھی تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیوں ہماری میزبانی قبول نہیں کرتے۔ عبدالرحمٰن جاؤ کھانا لاؤ میں نے کھانا لاکر سامنے رکھ دیا فرمایا بِسْمِ اللّٰہ اَلْاُولیٰ لِلشَّیطان یعنی بسم اللہ کرو یہ پہلی بات تو شیطان نے کہلوا دی تھی (یعنی بلاوجہ جو قسما قسمی اور ایک قسم کی ناراضگی ہو گئی ہے یہ شیطانی اثر ہے اسے دفع کرو اور کھانا کھاؤ اس کے بعد آپ نے اور ان سب نے کھانا کھالیا۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ آدمی اپنے گھر کے دروازے تک مہمان کو چھوڑ کے آئے۔

یعنی یہ مناسب نہیں کہ بیٹھک کے اندر ہی مصافحہ کر کے ان کو روانہ کر دے بلکہ دروازے تک الوداع کہنے کے لئے آنا چاہیئے بلکہ اگر ہو سکے تو سواری یا اڈہ اور سٹیشن تک جائے۔

پینے کے آداب :-

حضرت جابر بن عبداللہؓ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا برتنوں کو ڈھانپ کر رکھو اور مشکیزے کا منہ باندھ دیا کرو دیا بجھا دیا کرو اور دروازہ بند کر دیا کرو اس لئے کہ شیطان بند مشکیزے میں اتر نہیں سکتا اور دروازے کو کھول نہیں سکتا اور برتن کو ننگا نہیں کر سکتا اور اگر کسی کو ڈھانپنے کی کوئی چیز نہ ملے تو وہ بسم اللہ پڑھ کر برتن کے منہ پر کوئی لکڑی رکھ دے

گرمیوں کے موسم میں عموماً حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کپڑ دن میں کھانے پینے کے برتنوں میں بلکہ بیٹھنے لیٹنے کی جگہوں میں آ گھستے ہیں اگر برتن ننگے ہوں تو بہت ممکن ہے ان میں کوئی موذی چھپ کر بیٹھا ہو اور پینے والے کو آزار پہنچا دے اگر اس کا احتمال نہ بھی ہو تو بھی صفائی اور پاکیزگی کا تقاضا ہے کہ برتن ڈھانپ کے رکھے جائیں تاکہ ان پر گرد و غبار اور تنکے وغیرہ نہ پڑ سکیں دروازہ کھلا ہو تو چوروں کے علاوہ کتے بلیاں آ گھستے ہیں اور دوسری چیزوں کا نقصان کرنے کے علاوہ برتن پلید کرتے ہیں اور دیا نہ بجھایا جائے تو بسا اوقات ہوا کے

جھونکوں سے اِدھر اُدھر آگ لگ جاتی ہے جس سے مکان ہی جل جلنے کا اندیشہ ہے کبھی ایسے بھی ہوتا ہے کہ چوہیا جلتی ہوئی بتی پکڑ کے دوڑ پڑتی ہے تو پھر وہ جہاں جہاں سے گزرے وہ ساری چیزیں آگ کی زد میں آجاتی ہیں بس انہی نقصانات کے امکانات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ شیطان کا کام ہی نوع انسان کا نقصان کرنا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے میں رات کو تین برتن ڈھانپ کے رکھتی تھی ایک برتن میں آپ کے وضو کا پانی ہوتا تھا۔ دوسرے میں آپ کی مسواک اور تیسرے میں آپ کے پینے کا پانی ہوتا تھا۔

پانی پلانے کا ثواب :-

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص راہ میں چلا جا رہا تھا۔ اچانک اسے پیاس نے بیتاب کر دیا اس نے ایک کنواں دیکھا اور پانی پینے کے لئے اس کے اندر اتر گیا پانی پی کر جب وہ شخص باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ ایک کتا کھڑا ہونک رہا ہے اور

شدید پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی کو چاٹ رہا ہے اس آدمی نے محسوس کیا کہ پیاس نے کتے کو بھی اسی طرح بے تاب کر رکھا ہے جیسے مجھ کو کیا تھا۔ وہ پھر کنویں میں اترا اور اپنے موزے کو پانی سے بھر لیا اور اپنے منہ میں پکڑ کر باہر نکل آیا اور وہ پانی کتے کو پلا دیا۔ اللہ تعالے نے اس کی ہمدردی کی قدردانی کرتے ہوئے اسے بخش دیا لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم تو کیا چوپایوں کی ہمدردی اور خبر گیری میں بھی ہمارے لئے اجر ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چوپایوں پر ہی کیا موقوف ہے بلکہ ہر تر جگر والی چیز میں تمہارے لئے اجر ہے۔

یعنی مخلوق خدا میں سے کسی بھی جانور پر رحم کرو گے تو تم اللہ کے ہاں اجر کے مستحق ہوؤ گے خواہ وہ کتے اور بلی جیسا ذلیل جانور ہی کیوں نہ ہو کیونکہ بھوک اور پیاس کا ہر جاندار کو یکساں احساس ہوتا ہے جس طرح آدم زاد بھوک کی وجہ سے بلبلاتا اور پیاس کی شدت کی وجہ سے بے چین ہوتا ہے اسی طرح ہر جاندار کو بے تابی اور بے چینی ہوتی ہے پس اگر کوئی رحم دل انسان کسی بھی جانور پر رحم وکرم کا مظاہرہ کرتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے کسی انسان کی پیاس بجھا دی ہو یا کسی آدمی کی بھوک مٹانے کا سامان کر دیا ہو اللہ تعالے

مخلوقِ خدا پر اس کی جان سوزی اور ہمدردی کی قدردانی میں اس کی مغفرت کا سامان کر دیتے ہیں۔

چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت :-

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے وہ درحقیقت اپنے پیٹ میں آگ انڈیل رہا ہے۔

یعنی اس جرم کی سزا اسکو یہ ملے گی کہ آخرت میں آگ کے انگارے نگلنے پڑیں گے اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْھَا یہ ممانعت مردوں عورتوں دونوں کے لئے ہے کیونکہ عورتیں بھی سونے چاندی سے صرف زیور کی صورت میں فائدہ اٹھا سکتی ہیں اور کسی صورت میں نہیں۔

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے چاندی کے برتنوں میں پینے سے منع فرمایا ہے اور آپؐ نے فرمایا ہے کہ یہ چیزیں ان کے لئے دنیا میں ہیں اور تمہارے لئے آخرت میں۔

یعنی کافر لوگ دنیا میں ان سے لطف اندوز ہو رہے ہیں مگر آخرت میں

محروم رہیں گے اور تمہارے لئے آخرت میں یہ چیزیں مہیا کی جائیں گی کیونکہ شریعت کی ممانعت کی وجہ سے تم لوگ دنیا میں ان سے محترز رہے۔

تین سانس میں پینا مسنون ہے:-

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانی پیتے وقت تین سانس لیتے تھے۔

اگر کوئی شخص سخت پیاس کی حالت میں ایک دم برتن کو منہ میں انڈیل لے تو بسا اوقات تکلیف اور بیماری کا سبب بن جاتا ہے اور ایک دم پینے میں ایک قسم کی بے صبری بھی معلوم ہوتی ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سکون کے ساتھ تین سانس میں پانی پیتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ کوئی شخص مشکیزے کو منہ لگا کے پانی پیئے۔

اسی طرح آجکل گھڑے بالٹی یا جگ کو منہ لگا کے پینا بھی اس ممانعت میں شامل ہے۔

حضرت ابنِ عباسؓ ہی کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

پینے کی چیز ایک دم نہ چڑھا جایا کرو جیسے اونٹ پیتا ہے بلکہ دو یا تین سانس لے کر پیو اور جب پینے لگو تو بسم اللہ پڑھا کرو اور جب پی چکو تو الحمد للہ کہا کرو۔

اونٹ کی عادت ہے کہ نہ پئے تو ہفتوں نہ پئے اور جب پینا شروع کرے تو ایک ہی سانس میں ہفتہ بھر کا راشن غٹا غٹ پی جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو کھانے پینے میں جانوروں کی سی بے صبری اور لالچ کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیئے اور شروع اور آخر میں اس پروردگار کو یاد کرنا ضروری ہے جس نے تمہارے استحقاق کے بغیر محض اپنے فضل و کرم سے کھانے پینے کی یہ لذیذ اور فرحت بخش چیزیں تم کو عطا کیں اور جب تم اس کی نعمتوں کو اسی کے نام سے شکر گزاری کے ساتھ کھاؤ پیو گے تو وہ داتا خوش ہو کر تم کو اور زیادہ عطا کرے گا نہیں تو کم از کم تمہارا نام تو شاکرین کی فہرست میں شمار کرے گا۔

ثمامہ بن عبداللہ رض کہتے ہیں کہ حضرت انس رض برتن میں تین سانس لیتے تھے اور حضرت انس رض ہی کا دعوٰی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم برتن میں تین سانس لیا کرتے تھے۔

مطلب یہ ہے کہ گلاس ہو پیالہ جس برتن میں بھی آپ پانی وغیرہ پیتے تھے اسے تین سانس میں ختم کرتے تھے۔ بعض لوگ غلط فہمی سے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اپنی پیاس کے مطابق جتنا پانی پینا ہو وہ تین سانس میں پیئے اس مغالطہ کی تردید اسی حدیث میں موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور حضرت انسؓ کا دعویٰ برتن کے متعلق ہے کہ ایک برتن میں تین سانس لے خواہ برتن چھوٹا ہو یا بڑا تین گلاس پینا مراد نہیں ہے۔

کھڑے ہو کر پینا خلافِ سنت ہے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص کھڑا ہو کے پانی پیئے

آج کل کوکا کولا اور سیون اپ کے رسیاؤں کا تو فیشن ہی بن چکا ہے کہ کھڑے ہو کر بوتل منہ میں انڈیلی جائے اور ایسا کرتے وقت ان کا دماغ کم از کم ساتویں آسمان پر پہنچا ہوا ہوتا ہے وہ گلاس سے پانی یا سوڈا پینے والوں کو اپنے بالمقابل بالکل کمین سمجھتے ہیں حالانکہ سنتِ رسول کی خلاف ورزی اور دوسرے انسانوں کی تحقیر کرنے کی وجہ سے وہ خود کمین ہی نہیں بلکہ گدھوں سے بھی بدترین

بن چکے ہوتے ہیں لیکن اپنی حماقت کا شیشہ ان کے سامنے نہیں ہوتا کاش کہ ایسے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو دھیان سے پڑھیں کہ

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص کھڑا ہو کر ہرگز نہ پیئے اور جو بھول کے پی لے تو اسے چاہیے کہ قے کر دے۔

کیونکہ اس نے ایک قسم کا شیطانی کام کر کے خود نہیں بلکہ شیطان کو پلایا ہے اس لئے اسے چاہیے کہ قے کر کے شیطان کی خوشیوں پر پانی پھیر دے یہ امر مستحب ہے ضروری نہیں۔

آبِ زمزم اور وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر رو بقبلہ پینا مسنون ہے

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں زمزم کا ڈول بھر کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا آپ نے کھڑے ہو کر نوش فرمایا۔

حضرت ابن عباسؓ ہی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماءِ زمزم کھڑے ہو کر نوش کیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عصر کی نماز اور جامع مسجد کوفہ کے دار القضا میں لوگوں کے مقدمات فیصل کرنے کے لئے بیٹھ گئے یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا۔ پھر آپ کے لئے پانی لایا گیا آپ نے اس سے ہاتھ منہ سر اور پاؤں دھوئے پھر کھڑے ہو کر بقایا پانی نوش کیا اور فرمایا کہ لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو مکروہ سمجھتے ہیں حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے ہی کیا تھا جیسے میں نے کیا

یعنی انہوں نے بھی کھڑے ہو کر پانی نوش فرمایا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ وضو کے بقیہ پانی کے متعلق ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وضو کے بقیہ پانی کو کھڑے ہو کر پیتے تھے۔ اور یہی ہمارے علماء کا مذہب ہے کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا چاہیئے اسی طرح اگر بیٹھنے کی جگہ نہ ہو یا برتن اس قسم کا ہو کہ اس سے بیٹھ کر پینا ممکن نہ ہو جیسے مشک جو اوپر لٹک رہی ہو تو کھڑے کھڑے پی لینا جائز ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کھڑے ہو کر پینے کی جو روایات ہیں وہ تقریباً ایسے ہی مواقع کی ہیں جیسے حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے اور ہمارے لٹکے ہوئے مشکیزے کے منہ سے اپنا مقدس منہ لگا کر کھڑے کھڑے پانی نوش فرمایا۔ میں نے فوراً ہی مشک کا وہ منہ

کاٹ کر رکھ لیا۔

یہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی ہی صورت پیش آئی ہے کہ چھوٹا برتن تھا نہیں اور مشک اوپر لٹک رہی تھی اگر نیچے اتار کر رکھ لیتے تو اول تو نیچے سے پینا ہی مشکل ہے پھر بعد میں اٹھا کر اوپر لٹکانا بھی محال اس لئے آپ نے ضرورت اور بیانِ جواز کے لئے کھڑے ہی نوش فرمالیا۔

حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا نے جو مشک کا منہ کاٹ کر رکھ لیا یہ ان کی اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی محبت وعقیدت کا مظاہرہ ہے ان کو یہ گوارا نہ ہو سکا کہ جہاں ساقیٔ کوثر کا منہ لگا ہے وہاں کسی اور کا بھی منہ لگے نیز مشک کا وہ تراشہ تبرکِ نبوت کے طور پر گھر میں رہے تو خیر و برکت کا باعث ہو گا۔ ان حضرات کی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہی عقیدتیں ہیں جن پر اللہ کی رحمتیں اور حضور علیہ السلام کی عنائتیں نثار ہوتی تھیں۔

ساقی کے لئے مستحب ہے کہ داہنے ہاتھ سے پلانا شروع کرے

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ایک دفعہ دودھ باری

بکری دوہی گئی اور اس کے دودھ میں ہمارے گھر کے کنوئیں کا پانی ملا کر کچی لسی بنادی گئی پھر پیالہ بھر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے جب پی لیا تو بائیں ہاتھ حضرت ابوبکر بیٹھے تھے اور دائیں ہاتھ ایک اعرابی یعنی بدو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اپنا تبرک حضرت ابوبکرؓ کو دے دیجئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدوی کو دے دیا جو داہنے ہاتھ بیٹھا تھا اور فرمایا دائیں ہاتھ والا حق دار ہے پھر جو اس کے دائیں ہاتھ ہو۔

مطلب یہ ہوا کہ عمر کے لحاظ سے چھوٹے بڑے سب جمع ہوں تو اگر چھوٹے برا محسوس نہ کریں تو پہلے بڑوں کو پلایا جائے اس کے لئے یا تو ان سے صریح اجازت لی جائے یا قرائن سے معلوم کرے جیسا کہ اس حدیث میں گزرا

حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پیالہ پیش کیا گیا آپ نے اس میں سے پی لیا بقایا جو تبرک بچا تھا وہ کسی کو دینے کے لئے آپ نے دائیں بائیں دیکھا آپ کے دائیں ہاتھ ایک لڑکا غالباً حضرت ابن عباسؓ اور بائیں ہاتھ بڑے بوڑھے بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا اے لڑکے کیا تو اجازت دیتا ہے کہ میں پہلے بزرگوں کو پلادوں حضرت ابن عباسؓ نے عرض

کہ یارسول اللہ میں آپ کے تبرک کے معاملہ میں کسی کو بھی اپنے اوپر ترجیح دینے کے لئے تیار نہیں ہوں آپ نے پیالہ اسی کے حوالہ کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرکت سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص برتن کے اندر سانس لے یا اس میں پھونک مارے) جس کی حکمت پہلے بیان ہو چکی ہے۔

چیگھ لگا کر یا چلو سے پانی پینا ممنوع ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ ہم چیگھ لگا کر پانی پئیں اور آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص کتے کی طرح برتن میں منہ ڈال کے پانی نہ پئے اور نہ ہی ایک ہاتھ سے پئے جیسے وہ لوگ پیتے ہیں جن پر خدا ناراض ہو چکا ہے اور نہ ہی کوئی شخص برتن ہلا کر اطمینان کئے بغیر رات کو پانی پئے سوائے اس کے کہ برتن ڈھکا ہوا ہو لیکن اس ممانعت کے باوجود جو شخص صرف تواضع اور عاجزی کی وجہ سے ہاتھوں کی اوک لگا کر پانی پئے حالانکہ وہ برتن سے پینے پر قادر ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی انگلیوں کے برابر نیکیاں عطا فرمائے گا اور ہاتھ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام

کا برتن تھا۔ جبکہ انہوں نے یہ کہہ کر پیالہ پھینک دیا تھا۔ اف ھذا مع الدنیا یعنی دنیا کے ساتھ اتنا لگاؤ افسوس ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ پانی

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سقیا چشمے سے میٹھا پانی لایا جاتا تھا۔ جو دو دن کے فاصلے پر ہے۔ بعض نے سقیا نامی ایک بستی بتلائی ہے جہاں سے یہ پانی لایا جاتا تھا۔ اور وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔

دودھ کی تعریف :-

اللہ تبارک وتعالیٰ دودھ کی تعریف کرتے ہوئے قرآنِ پاک میں فرماتے ہیں۔ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِیْنَ یعنی خالص دودھ جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔

حضرت ابنِ عباس رضؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی کھانا کھائے تو اسے چاہیئے کہ یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَ اَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ ترجمہ اے اللہ ہمیں اس میں برکت دے اور اس سے بہتر عطا فرما۔ اور جب کوئی دودھ پیئے تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ ۔

یعنی اے اللہ ہمیں اس میں برکت دے اور زیادہ سے زیادہ عطا فرما۔ کیونکہ دودھ کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں جو کھانے اور پینے دونوں کا کام دے سکے

نبیذ کا بیان :-

نبیذ ایک قسم کا شربت ہوتا تھا۔ جو پانی میں کوئی میٹھا پھل بھگو کر بنایا جاتا تھا۔ عرب میں چونکہ زیادہ تر کھجوریں ہوتی تھی۔ اور اسی سے عام طور پر نبیذ بنایا جاتا تھا اس لئے احادیث شریفہ میں عموماً نبیذِ تمر ہی کا ذکر ہے۔ یعنی ایسا شربت جو پانی میں کھجوریں ڈال کر بنایا گیا ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے ذوق وشوق سے نوش فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک ایسے مشکیزے میں نبیذ بناتے تھے جس کو اوپر سے باندھ دیا جاتا تھا۔ اور نیچے ایک

چھوٹا سامنہ ہوتا تھا۔ جس میں سے حسب ضرورت پینے کے لئے نبیذ نکالا جاسکتا تھا۔ اگر ہم صبح کو نبیذ ڈالتے تھے۔ تو آپ رات کو نوش فرمالیتے اور رات کو ڈالتے تو آپ صبح کو پی لیا کرتے تھے۔

حضرت ابنِ عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبیذ بنایا جاتا تھا۔ آپ اس دن نوش فرماتے اگلے دن بھی اور اس سے اگلے دن بھی پھر بھی اگر بچ جاتا تو آپ خود گرادیتے یا کسی کو حکم دیتے وہ گرادیتا۔

غالباً پہلی حدیث میں گرمیوں کے نبیذ کا ذکر ہے اور اس حدیث میں سردیوں کے نبیذ کا کیونکہ نبیذ کو اس وقت تک پینے کی اجازت ہے جب تک اس میں نشہ نہ پیدا ہو اور جب نشہ آور ہوجائے تو وہ شراب کی طرح حرام ہوجاتا ہے جیسے

حضرت عمر رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ۔ کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے اسی طرح

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مشروب جب نشہ آور ہوجائے تو وہ حرام ہے۔

یہ جو حدیثِ عائشہ رضؓ میں صرف ایک دن رات پینے کا ذکر ہے اور حدیثِ

ابنِ عباسؓ میں تین دن رات کا ان دونوں میں تطبیق کی سہل صورت یہی ہے کہ پہلی کو گرمیوں پر محمول کیا جائے کیونکہ گرمیوں میں نشہ جلدی پیدا ہو جاتا ہے اور دوسری کو سردیوں پر کہ سردیوں میں نسبتاً دیر سے نشہ پیدا ہوتا ہے اختلافِ موسم کو ملحوظ رکھتے ہوئے جب بھی آپ محسوس فرماتے کہ اب اس میں نشہ پیدا ہو رہا ہے تو بقیہ کسی اور کو پلا کر یا زمین پر گرا کر ختم کر دیتے۔

شرابِ خانہ خراب :-

شراب کو عربی میں خمر کہتے ہیں اور خمر کے معنی ہیں ڈھانپنا چھپانا پردہ ڈال دینا چونکہ شراب بھی اپنے پینے والے کی عقل اور حواس پر پردہ ڈال دیتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ عقل ہی ایک ایسا آلہ ہے جس سے انسان نیک و بد میں تمیز کرتا ہے عقل ہی انسان کو نیکی کی رغبت اور برائی سے نفرت دلاتی ہے تو جب عقل ہی ماؤف اور حواس معطّل ہو گئے تو انسان شر و خباثت کا پیکر بن جاتا ہے چنانچہ شرابی لوگ کثرت سے ساتھ اخلاقی جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں زنا کاری بدکاری چوری ڈاکہ اور قتل و غارت کرنے والے عموماً شرابی ہوتے ہیں شراب پی کر انسان جب عقل و فکر سے عاری ہو جاتا ہے تو ایسے ایسے احمقانہ فیصلے کر گزرتا ہے

جو اس کی ذات اور اس کی قوم کے لئے بڑے تباہ کن ثابت ہوتے ہیں بڑی بڑی مملکتیں اور بے حد مضبوط شہنشاہیاں عیاش حکمرانوں نے شراب کے جاموں میں بہا ڈالیں دور جانے کی ضرورت نہیں خود اپنے مشرقی پاکستان اور سقوطِ ڈھاکہ کو دیکھ لو اس المیے کی تہہ میں بھی بد قماش لوگ جام و سبو لنڈھاتے ہوئے نظر آئیں گے اس لئے ایسی خطرناک اور تباہ کن چیز کو ام الخبائث کہا جائے تو بالکل بجا ہے اسلام جیسا پاکیزہ اور عقل و خرد کو اپیل کرنے والا مذہب اس ام الخبائث کو کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدکاریوں کی جڑ کاٹنے کے لئے ارشاد فرمایا جسے

حضرت ابو درداءؓ اس طرح روایت کرتے ہیں کہ میرے خلیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی کہ شراب نہ پینا کیونکہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔

اور قرآنِ پاک میں خداوندِ قدوس کا ارشاد ہے اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

ترجمہ:۔ یقیناً شراب جوا بت اور سٹے کے تیر گندگی اور غلاظت ہیں جن کا ارتکاب شیطان ہی کر سکتا ہے بس تمہیں چاہیئے کہ ان سے بچ کر رہو تاکہ تم

کامیابی پاسکو۔

شراب کا وبال دنیا و آخرت میں :۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دائمی شرابی یا ہمیشہ اس کے نشے میں دھت رہنے والا ایسا ہے جیسے بتوں کا پجاری۔

یعنی جیسے بت پرست کی کوئی نیکی اور بڑی سے بڑی عبادت مقبولِ بارگاہِ خدا نہیں ہوتی اسی طرح شراب خور حق تعالیٰ کی نگاہوں سے ایسا گر جاتا ہے کہ پھر وہ نماز روزہ یا دوسری نیکیوں کے انبار بھی لگا دے تو خدا کے ہاں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں اِلّا یہ کہ اسے توبہ تائب ہو جانے کی توفیق نصیب ہو جائے۔

حضرت ابو درداءؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شراب کا عادی شخص جنت میں کبھی داخل نہ ہوگا۔

کیونکہ جنت تو پرہیزگاروں اور پارساؤں کی جگہ ہے اس سے ایسے شخص کا کیا واسطہ جس کے منہ سے بدبو کے بھبھوکے نکل رہے ہوں جس کا دامن

ایسی نجاست سے آلودہ ہو جو خالص شیطان کا عمل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے شراب پی اور مدہوش ہو گیا۔ تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اگر وہ اسی حالت میں مر گیا تو جہنم میں داخل ہو گا لیکن اگر اس نے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ بھی اسے نظرِ رحمت سے دیکھنے لگیں گے اور اگر دوبارہ پی بیٹھا اور مدہوش ہو گیا تو پھر چالیس دنوں تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی اور اگر اسی حالت میں مر گیا تو واصلِ جہنم ہو گا لیکن اگر اس نے توبہ کر لی اللہ تعالےٰ پھر اسے نظرِ رحمت سے دیکھنے لگیں گے اور اگر سہ بارہ پی لی اور مدہوش ہو گیا تو پھر چالیس دن تک اس کی نماز قابلِ قبول نہیں ہوگی پس اگر اس حالت میں مر گیا تو جہنم میں داخل ہو گا پھر اگر توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ اس پر رحمت سے رجوع فرمائیں گے لیکن اگر اس کے بعد پھر بھی باز نہ آیا پھر شراب پی بیٹھا تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہو گی اور اگر توبہ کرے گا تو اللہ تعالےٰ اس کی توبہ مسترد فرما دیں گے (یعنی اسے توبہ کی توفیق ہی نصیب نہ ہوگی) اور حق تعالےٰ پر لازم ہو گا کہ قیامت کے دن اسے ردغۃ الخبال پلائیں لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ وہ ردغۃ الخبال کیا چیز ہے آپ نے فرمایا اہلِ جہنم کا نچوڑ (یعنی ان کا خون پیپ بلکہ غلاظت وغیرہ)

العیاذ باللہ کتنی سخت سزا ہے کون ہے جو اس کے برداشت کرنے کی سکت رکھتا ہے خدا کرے اس بیماری میں مبتلا ہونے والوں کو توبۂ نصوح کرنے کی توفیق نصیب ہو اس حدیث میں جو داخلِ جہنم ہونے کا ذکر ہے یہ ابدی بھی ہو سکتا ہے اور عارضی بھی اگر تو چوتھی دفعہ اسے توبہ کی توفیق ہی نصیب نہ ہو تو اس کی نحوست سے وہ اپنے ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا پھر اس کے ابدی جہنمی ہونے میں کوئی شبہ نہیں لیکن اگر توفیق ہو گئی تو پھر عذابِ جہنم ایسے شخص کے ظاہری تزکیہ کے لئے ہے جب کہ وہ کلمہ گو ہونے کی وجہ سے باطنی طور پر پہلے ہی پاک صاف ہو تو میدانِ حشر میں یا خود جہنم کے اندر ڈال کر اس کے جسم و جان کو شراب کی میل کچیل سے پاک صاف کر کے بالآخر کلمے کی برکت سے اسے بھی جنت کا داخلہ مل جائے گا انشاء اللہ تعالےٰ کیونکہ کوئی کلمہ گو ابدی طور پر جہنمی نہیں ہو سکتا ہر گناہ گار مؤمن کو بقدر اس کی معصیت کے سزا دے کر یا ویسے ہی بخشش فرما کر جنت کی اجازت مل جائے گی ۔ لیکن اگر ایک منٹ بھی جہنم میں رہنا ہو گیا تو اس کی تلخی سے دنیا کے سینکڑوں سال کے عیش بھول جائیں گے۔

شراب کی وجہ سے دس آدمی لعنتی ہو جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شراب کی لعنت دس طریق پر ہے شراب کی نیت سے انگور بیچنے یا بونے والے پر اور اس کے نچوڑنے والے پر اور اس کے نچڑوانے والے پر اور اس کے بیچنے والے پر اور اس کے خریدنے والے پر اور اس کے اٹھانے والے پر اور اس کے منگوانے والے پر اور اس کی قیمت کھانے والے پر اور اس کے پینے والے پر اور اس کے پلانے والے پر۔

تو گویا شراب کے متعلق جو شخص جس قدر نیتاً یا عملاً ملوث ہو اسی قدر لعنتِ الٰہی کا مستحق ہو جاتا ہے۔ یہ تو ایسی متعدی بیماری ہے کہ کوئی شخص اس کے قریب سے بھی گزر جائے تو ملعون ہو جاتا ہے اب آپ اپنے پاک وطن کی ملعونیت کا اندازہ کریں جہاں ملک کے تمام شہروں بلکہ دیہاتوں تک میں حکومت کی اجازت سے کسی نہ کسی صورت میں شراب کا کاروبار ہوتا ہے حکومت بعض لوگوں کو اس کے درآمد کرنے کے لائسنس جاری کرتی ہے بعض کو اس کے کشید کرنے کے بعض کو اس کے بیچنے کے بعض کو اس کے خریدنے کے بعض کو

اس کے پینے کے اور بعض کو اس کے پلانے کے حکومت کی اجازت سے یہ تمام نجاست اور گندگی کا کاروبار ہونے کے باوجود ہماری حکومت بھی پاک کی پاک رہتی ہے۔ اور ہمارا ملک بھی پاکستان کا پاکستان۔

وہ کون سی برائی ہے جو برطانوی ہند میں تو تھی مگر پاکستان میں نہیں یا وہ کون سی نیکی ہے جو متحدہ ہندوستان میں نہیں تھی اور آج پاکستان میں اس کا چلن ہو گیا ہے عیاشی اور فحاشی پہلے سے زیادہ زناکاری اور اغلام بازی پہلے سے زیادہ سود خوری اور شراب خوری پہلے سے زیادہ قتل و غارت اور ڈاکہ زنی پہلے سے زیادہ عدل و انصاف کی گرانی اور رشوت ستانی پہلے سے زیادہ دینی علوم سے بے اعتنائی اور اسلامی اقدار سے بے توجہی پہلے سے زیادہ نماز روزہ سے غفلت اور احکام شریعت سے بے پرواہی پہلے سے زیادہ اسلام اور اسلامی آئین کی مظلومیت اور بے کسی پہلے سے زیادہ فرمایئے ان میں سے کون سی چیز ہے جس پر آپ بحیثیت مسلمان فخر کر سکتے ہیں جن مخلص مسلمانوں نے اسلامی مملکت اسلامی نظام اور صحیح اسلامی معاشرے کے لئے بانیان پاکستان اور مسلم لیگ کو ووٹ دیئے تھے۔ وہ آج اپنے کئے پر پشیمان ہیں ان کی امیدیں اور آرزوئیں پامال ہو گئی ہیں ان کا گھر بار اور عزت و آبرو تو لٹ گئی مگر جس صبح جاں نواز اور سحر ایمان افروز کے انہوں نے خواب دیکھے

تھے۔ وہ آج تک طلوع نہیں ہو سکی خدا کرے کہ وہ صبح طلوع ہو۔

شراب کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بطورِ علاج شراب کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں یہی وجہ ہے کہ انگریزی ادویات کے بارے میں ہمیں کبھی تردد نہیں ہوتا حالانکہ ایلوپیتھی میں مشکل ہی سے کوئی دوا ہوگی جو شراب یا الکحل کی آمیزش سے پاک ہو اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے میں حضرت شارع علیہ السلام کا یہ فرمان پیش کرتا ہوں کہ شراب دوا نہیں بلکہ ایک مستقل بیماری ہے۔

امام مسلمؒ نے حضرت طارق بن سوید سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے متعلق پوچھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا انہوں نے عذر کیا کہ میں تو دوا کے لئے بناتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اِنَّہٗ لَیْسَ بِدَوَاءٍ وَلٰکِنَّہٗ دَاءٌ۔ یعنی شراب دوا بالکل نہیں البتہ ایک بیماری ضرور ہے۔

حضرت دیلم حمیری کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے

گذارش کی کہ یا رسول اللہ ہم لوگ نہایت ٹھنڈے علاقے میں رہتے ہیں اور ہمیں روزی کمانے کے لئے بہت ہی سخت محنت کرنا پڑتی ہے ہم برفباری کی تکلیف اور محنت و مشقت کی سختی برداشت کرنے کے لئے گندم سے ایک قسم کی شراب تیار کرتے ہیں جس سے ہماری قوتِ برداشت زیادہ ہو جاتی ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا وہ نشہ بھی دیتی ہے میں نے کہا ہاں تو آپ نے فرمایا پھر تو اس سے بچ کر رہو میں نے کہا لوگ عادی ہونے کی وجہ سے اسے چھوڑ نہیں سکتے آپ نے فرمایا اگر وہ نہیں چھوڑتے تو ان سے جہاد کرو۔

اس حدیث شریف نے تو ساری غلط فہمیوں کا جالا کاٹ کے رکھ دیا ہے کہ اپنی مصلحتوں کے لئے جو لوگ شراب کو جائز قرار دیتے ہیں ان کا یہ فعل کافرانہ ہے اگر وہ روکنے سے باز نہیں آتے تو ان کے ساتھ ویسے ہی جہاد کرنا ضروری ہے جیسے دوسرے کافروں کے ساتھ۔ آج کل یار لوگوں نے شراب کے بہت سے مہذب نام رکھ چھوڑے ہیں اور بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ جی ہم شراب تو نہیں پیتے بلکہ مرزائے قادیاں کی طرح ٹانک وائن پیتے ہیں یا ہم وسکی پیتے ہیں یا ادویات میں الکحل ڈالتے ہیں ان لوگوں کے

متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرما دی تھی۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب و روز کی گردش ختم ہونے سے پہلے میری امت کے کچھ لوگ شراب کے نام تبدیل کر کے اسے پیا کریں گے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ شراب کے نئے نئے نام رکھ کر پئیں گے۔

ہمارے دور کے بدشعار لوگوں نے جو نئے نئے ناموں اور لیبلوں سے شراب پیتے ہیں کیا حضور علیہ السلام کی اس پیش گوئی کی تصدیق نہیں کر دی ہے اب ان لوگوں کا یہ مغالطہ دور ہو جانا چاہیئے۔ کہ اجی شراب تو صرف انگور کی ہوا کرتی ہے ان کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ شراب ہر وہ چیز ہے جس کے پینے یا کھانے سے نشہ آجائے۔

ابنِ ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کُلُّ مُسْکِرٍ خَمْرٌ وَکُلُّ خَمْرٍ حَرَامٌ۔ یعنی ہر نشہ آور چیز خمر ہے (شراب ہے)

اور ہر خمر حرام ہے۔

لیجئے اب تو نام بدلنے ایسی بد دیانتی اور چور اکاری کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شبہ کے ہر غبار کو صاف کر دیا ہے کہ چیز خواہ کھانے کی ہو یا پینے کی نشہ آور ہے تو اسے خمر کہا جائے گا اور ہر طرح کی خمر حرام ہے۔ اسی طرح

حضرت عمرؓ نے بر سر منبر خطبہ میں فرمایا اَلْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ۔ کہ خمر یعنی شراب ہر وہ چیز ہے جو نشہ سے عقل پہ پردہ ڈال دے۔

اب اس وضاحت سے دوسری تمام نشیات کی حرمت بھی صریح طور پر معلوم ہو گئی۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

گذارشِ آخریں

میں نے سیدِ وُلدِ آدم، نازشِ خلقِ عالم، شہنشاہِ عرب و عجم، غیرتِ مہر و ماہ و انجم حضرتِ محمد و احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس شکل و صورت کے اختیاری زاویے اور آپ کی خوراک و پوشاک کے پاکیزہ نمونے اپنے قارئین و سامعین کے سامنے بڑی محنت و کاوش سے جمع کر کے پیش کر دیئے ہیں اب میں امید کرتا ہوں کہ وہ تمام لوگ جو جنابِ سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے ساتھ غلامی کی نسبت رکھتے ہیں آپ کا کلمہ پڑھتے اور آپ کی شفاعت پر یقین رکھتے ہیں وہ آپ کی پیش کردہ سیرت و صورت کے سانچے میں اپنی زندگی کے کم از کم ان تین گوشوں کو تو ضروری طور پر ڈھالنے کی کوشش کریں گے کیونکہ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالےٰ نے انسانی معاشرت کے لئے اپنا پسندیدہ معیار بنا کے بھیجا تھا۔ اب جس کی شکل و صورت وضع و قطع لباس و پوشاک چال ڈھال خورد و نوش اور دیگر معاملات و عبادات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کے مطابق ہوئے وہی خداوندِ قدوس کے

دربار میں سرخروئی اور کامیابی کا حق دار ہوگا۔ اور سرکارِ شفاعت مآب اسی کی شفاعت کے ذمہ دار ہوں گے اور خدانخواستہ جس کی سیرت وصورت اور اخلاق وکردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے دشمنانِ خدا ورسول یہود ونصاری یا ملحدین ومشرکین کے مطابق ہو تو اس کی ہلاکت وبربادی میں کوئی شک وشبہ نہیں اس کا حشر پھر انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن کی معاشرت اور طریق کو اس نے دنیا میں اپنایا اور جن کی سیرت وصورت کو اس نے اپنے لئے آئیڈیل قرار دیا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ یعنی آدمی کا حشر انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت کرتا تھا۔ اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ یعنی جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے سمجھا جائے گا ان دوٹوک ارشاداتِ رسول کے ہوتے ہوئے ہمیں اپنا حشر اور انجام کار معلوم کرنے کے لئے قیامت کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہر شخص آئینہ سامنے رکھ کر اپنی شکل وصورت اور طور طریق کو دیکھ لے کہ وہ کن لوگوں کے ساتھ میل کھاتا ہے۔ رسولِ خدا اور اصحابِ رسول کے ساتھ میل کھاتا ہے تو اس کا حشر نبیین وصدیقین کے ساتھ ہو گا۔ اور اگر انگریزوں اور امریکیوں کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے تو اس کا

حشر پھر انگلستان کے چرچل و شکسپیئر اور ہالی وڈ کے امریکی ایکٹرسوں کے ساتھ تو ہوسکتا ہے لیکن مقربینِ خدا و رسول کے ساتھ نہیں (اعاذاللہ منہا) میں اس خدا سے دعا کرتا ہوں توفیق و تقدیر کی ڈوریاں جس کے ہاتھ میں ہیں کہ وہ ہم سب لکھنے پڑھنے اور سننے والوں کو سیرت و صورتِ رسول اور اسوۂ نبوت اختیار کرنے کی توفیق بخشے۔ این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد[5]

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مَصَادِيْقَ اُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَ
حَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيْقًا وَتَقَبَّلْ مِنَّا كَمَا كَمَا
تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَخَلِيْلِكَ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ
لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَ
سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَاَصْحَابِهٖ
وَجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

شکل و صورت اور خوراک و پوشاک میں

اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا فضل الرحمٰن دھرمکوٹی

مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ، ۳۲، شاہ عالم مارکیٹ لاہور